اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ

یقین رکھو کہ ہم تمہاری طرف سے ان لوگوں سے نمٹنے کے لیے کافی ہیں جو (تمہارا) مذاق اڑاتے ہیں (الحجر 95)

کلامِ خُدا سے
تحفُّظِ ناموسِ مُصطفیٰ ﷺ



ASSAS
INSTITUTE

فرمانِ رسول ﷺ سے
تحفظِ ناموسِ رسول ﷺ

مرتب: محمد عثمان عارف

معاونت: مولانا اسماعیل

ٹائٹل ڈیزائنگ: محمد صفتِ الٰہی

انرڈیزائنگ: محمد کفیل

پروجیکٹ: اساس انسٹیٹیوٹ

ASSAS
INSTITUTE
124- Hameed Nizami
Road, Abid market,
Mozang, Lahore

+92 334 93 63 518
www.assasedu.com
@assasinstitute
assasinstitute

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، نبینا محمد ﷺ، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے محبت، تعظیم اور ادب ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ قرآنِ مجید نے آپ ﷺ کی توقیر و تعظیم کو اہلِ ایمان کی کامیابی کا سبب قرار دیا ہے، جبکہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کو نہایت سنگین جرم اور عظیم گناہ بتایا ہے۔ اسی لیے محدثین، فقہاء اور ائمۂ امت نے اس مسئلے پر مستقل ابواب اور کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں متعلقہ نصوص اور ان کے فقہی مباحث کو جمع کیا گیا ہے۔

زیرِ نظر کتابچے میں ان احادیثِ مبارکہ کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قارئین ایک جگہ پر ان روایات کا مطالعہ کر سکیں، ان کے ذریعے اس مسئلے کی شرعی اہمیت کو سمجھیں، اور اس موضوع پر اصل مصادرِ حدیث سے واقف ہوں۔

یہ مجموعہ کسی شخص یا گروہ کے لیے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی ترغیب نہیں دیتا، بلکہ اس کا مقصد محض احادیثِ نبویہ کی جمع و تدوین اور علمی مطالعہ ہے۔ کسی بھی شرعی یا قانونی حکم کے نفاذ کا اختیار متعلقہ مجاز اتھارٹی اور اسلامی اصولِ قضا کے مطابق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس معمولی کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے، اسے دینِ اسلام اور محبتِ رسول ﷺ کے فروغ کا ذریعہ بنائے، اور ہمیں اپنے محبوب ﷺ کی سچی محبت، کامل اتباع اور ادب و تعظیم پر ہمیشہ قائم رکھے۔

وما توفیقي الا باللہ، علیہ توکلت والیہ أنیب۔



کلامِ خُدا سے تحفُّظِ ناموسِ مُصطفیٰ ﷺ

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	نبتل بن حارث	1
2	بارہ منافق	5
3	معتب بن قشیر	13
4	انصاری صحابی رضی اللہ عنہ	19
5	عبداللہ بن ابی	22
6	ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما	29
7	آدابِ رسول ﷺ	35
8	شانِ اَزواجِ رسول ﷺ	41
9	اُنظُرنَا	49
10	جُلاس بن سوید بن صامت و وَدِیعَۃ بن ثابت	52

ASSAS INSTITUTE
124- Hameed Nizami Road, Abid market, Mozang, Lahore

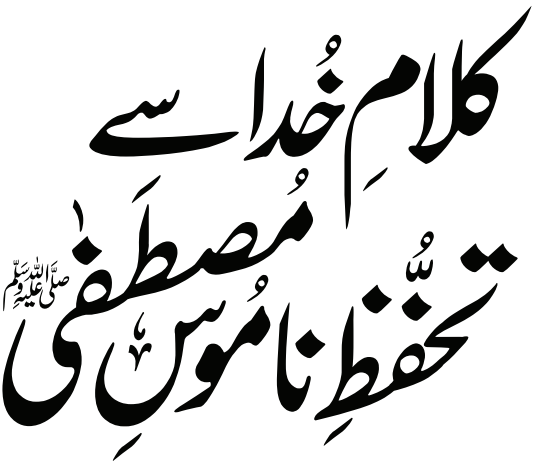
کلامِ خُدا سے
تحفُّظِ نامُوسِ مُصطفیٰ ﷺ

پہلی دلیل:

نبتل بن حارث

شانِ نزول

نبتل بن حارث رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتا، سنتا اور پھر منافقوں کے پاس جا کر باتیں پہنچاتا۔ اس طرزِ عمل پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ﴾ یعنی (معاذ اللہ) "نبی ﷺ تو ہر سنی سنائی بات مان لیتے ہیں"۔)[1]

محمد بن اسحاقؒ سے منقول ہے کہ یہ آیت ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام نَبْتَل بن الحارث تھا۔ اس کی رنگت سانولی، آنکھیں سرخی مائل، رخسار سیاہی مائل اور ہیئت کریہہ تھی۔ وہ نبی ﷺ کی مجلس سے باتیں چُرا کر منافقوں تک پہنچاتا۔ اسے کہا گیا: "ایسا نہ کرو۔" اس نے جواب دیا: "محمد ﷺ تو اُذُن ہیں؛ جو کوئی بات کہہ دے، وہ اسے مان لیتے ہیں۔ ہم کچھ کہہ دیں، پھر ان کے پاس جا کر قسم اٹھا لیں تو وہ تصدیق کر دیتے ہیں۔" اسی کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

> مَن أراد أن يَنْظُرَ إلى الشَّيطانِ فَلْيَنْظُرْ إلى نَبْتَلِ بنِ الحارث "جو شیطان کو دیکھنا چاہے، وہ نبتل بن حارث کو دیکھ لے۔"

آیت مبارکہ

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ

(1) روایتِ ابن عباسؓ

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (1)

اور انہی (منافقین) میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو دکھ پہنچاتے ہیں اور (ان کے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ: وہ تو سراپا کان ہیں۔ کہہ دو کہ: وہ کان ہیں اس چیز کے لیے جو تمہارے لیے بھلائی ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی بات کا یقین کرتے ہیں، اور تم میں سے جو (ظاہری طور پر) ایمان لے آئے ہیں، ان کے لیے وہ رحمت (کا معاملہ کرنے والے) ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاتے ہیں ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب تیار ہے۔

علامہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن سُدِّی کی روایت کے مطابق

کچھ منافق جن میں جِلاس بن سوید، مَخشیّ بن حُمیر اور وَدِیعہ بن ثابت شامل تھے۔ آپس میں (نعوذ باللہ) نبی ﷺ کی شان میں کلام کرنا چاہتے تھے۔ بعض نے روکا کہ یہ باتیں رسول ﷺ تک پہنچ گئیں تو پکڑے جاؤ گے۔ ایک نے کہا: "محمد (ﷺ) تو اُذُن ہیں، ہم قسم کھالیں گے تو مان لیں گے۔"

مجلس میں ایک انصاری نوجوان عامر بن قیس بھی موجود تھا؛ اس نے یہ گستاخانہ جملہ سن کر کہا: "اللہ کی قسم! محمد ﷺ سچے ہیں اور تم لوگ بدتر ہو۔" اس نے واقعہ حضور ﷺ کو بتادیا۔ منافقوں نے قسمیں کھا کر اپنے بچاؤ کی کوشش کی اور عامر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے قول پر قسم کھائی۔ نبی ﷺ نے ان (منافقین) کی بظاہر بات قبول کر لی تو عامر رضی اللہ عنہ نے دعا کی:

"اے اللہ! سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا ظاہر فرما"

پھر آیت اتری جس میں "اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ" کہہ کر نبی ﷺ کے اسی حلم و رحمت کو مدح کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

اس میں نبی ﷺ کے حِلم، حسنِ ظن، اور مؤمنوں پر اعتماد کو عیب نہیں بلکہ کمال بتایا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ منافقین کے حیلہ و قسم سن لینے کے باوجود قانونی قرائن کے مطابق فیصلے فرماتے، اور باطن کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیتے تھے؛ یہی سنتِ رحمت ہے۔

---

(1) التوبہ:٦١

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ

"منافقین میں کچھ وہ ہیں جو رسولِ اکرم ﷺ کو اذیت دیتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ تو ہر ایک کی سنتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے: (ہاں) وہ تمہارے لیے خیر کے سننے والے ہیں—

ان بدبختوں نے (اللہ ان کے چہروں کو سیاہ کرے، انہیں بہرا اور اندھا کرے) "أُذُنٌ" کہہ کر یہ مراد لی کہ گویا حضور ﷺ جو سنیں، بے امتیاز مان لیتے ہیں

قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَكُمْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: ہاں، وہ "اُذُن" ہیں مگر تمہارے لیے خیر کے سننے والے۔

یہ تعبیر اس طعن کا الٹا جواب ہے یعنی حضور ﷺ خیر، حق اور واجب القبول بات سنتے اور قبول فرماتے ہیں، باطل کی بات پر کان بھی نہیں دھرتے۔

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ

یعنی اللہ پر کامل ایمان رکھتے ہیں

دلائل و آیات کی بنا پر تصدیقِ ربّانی۔ یہ الوہیت کی حقانیت کا اثبات اور نبی ﷺ کے مقامِ صدق کی تاکید ہے۔

وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ

یعنی اہلِ ایمان کی بات مانتے/ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

اس بنا پر کہ وہ عندہٗ صادق ہیں۔ یہاں "لام" (لِلمؤمنین) تسلیم و اعتماد کے مفہوم کو قوت دے رہی ہے؛ جیسے دوسری جگہ آیا:

وما أنتَ بمؤمنٍ لنا ولو كُنّا صادقين

یعنی "ہمارا کہا ماننے والے نہیں۔"

وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ یعنی آپ ﷺ (کا یہ شانِ کریم) ایمان والوں کے لیے سراسر رحمت

ہے۔ نرم خوئی، حسنِ ظن، عذر قبول کرنا؛ یہ سب اہلِ ایمان کے حق میں خیر ہے۔ بعض نے "مِنْكُمْ" کو اس لیے فرمایا کہ منافق بھی اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے تھے؛ سو خطاب میں ان کی دعوے داری کا اعتبار آ گیا۔

حکم

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

اور جو لوگ رسولِ اللہ ﷺ کو اذیت دیتے ہیں کسی بھی نوع کی ایذا ہو ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یہ دردناک عذاب اس شخص کے لیے دونوں جہانوں میں ہے "دنیا" میں بھی اور "آخرت" میں بھی دنیا میں یہ عذاب اس شخص کو ذلت کی موت یعنی قتل کے ذریعے دیا جائے گا اور آخرت میں اس شخص کو ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ کا ایندھن بنا کر دردناک عذاب دیا جائے گا۔

یہاں "رسول اللہ" کی نسبت اسمِ جلالہ کی طرف مزید تعظیم پیدا کرتی ہے گویا رسول ﷺ کی ایذا رسانی درحقیقت اللہ کی جناب میں جسارت ہے، اور اس پر شدید غضب لازم آتا ہے۔ اہلِ علم نے لکھا کہ ایذا صرف زمانۂ حیات تک محدود نہیں؛ بعدِ وصال بھی اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی دل آزاری، یا آپ ﷺ کے والدین کے بارے میں ناشائستہ کلام سب اس وعید کے ضمن میں آتا ہے۔

دلیل نمبر 2:

بارہ منافق

شان نزول:

حضرت قتادہ کہتے ہیں:

"جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے، آپ نے اپنے آگے کچھ منافقین کو دیکھا جو آپس میں کہہ رہے تھے:

أيَرجو هذا الرجل أن تُفتح له قصور الشام وحصونها؟ هيهات هيهات

کیا یہ شخص یہ امید رکھتا ہے کہ شام کے قلعے اور محلات اس کے لیے فتح ہو جائیں گے؟ ہر گز نہیں، یہ تو محال ہے!۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کی باتوں پر مطلع فرما دیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا:

احبسوا على هؤلاء الركب

ان سواروں کو روک لو۔

جب وہ روکے گئے تو آپ ﷺ ان کے پاس آئے اور فرمایا:

قلتم كذا و كذا؟

(کیا تم نے یہ یہ باتیں کی تھیں؟)

وہ بولے: يا نبيّ الله إنما كنا نخوض ونلعب

(اے اللہ کے نبی! ہم تو بس گفتگو اور کھیل کود کر رہے تھے)۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر، ابن مردویہ اور دیگر نے عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے:

انہوں نے کہا: ایک شخص نے غزوۂ تبوک میں کہا:

ما رأينا مثل قرائنا هؤلاء، لا أرغب بطونا ولا أكذب ألسنة ولا أجبن عند اللقاء

ہم نے اپنے ان قاریوں جیسا کوئی نہیں دیکھا: سب سے زیادہ پیٹ بھرنے والے، سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والے اور لڑائی کے وقت سب سے زیادہ بزدل!۔

یہ سن کر ایک شخص نے کہا: "كذبت ولكنك منافق، لأخبرنّ رسولَ الله ﷺ" (تو نے جھوٹ کہا بلکہ تو منافق ہے، میں یہ بات رسول اللہ ﷺ کو ضرور بتاؤں گا)۔

جب یہ بات نبی اکرم ﷺ تک پہنچی تو قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔ عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں

"میں نے خود اس شخص کو دیکھا جو رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی پچھلی رسی سے لٹکا ہوا تھا، پتھر اس پر برس رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا: يا رسول الله إنما كنا نخوض ونلعب (اے اللہ کے رسول! ہم تو بس کھیل ہی رہے تھے)۔ اور رسول اللہ ﷺ بار بار وہی الفاظ دہرا رہے تھے جو اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا:

قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ

کہہ دو: کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کرتے تھے؟"

بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ شخص عبد اللہ بن اُبیّ تھا جو منافقین کا سردار تھا۔ اس پر اختلاف ہے کہ آیا انہوں نے اپنے الفاظ کا انکار کیا اور یہ عذر پیش کیا کہ ہم تو بس کھیل رہے تھے، یا انہوں نے انکار نہیں کیا بلکہ اسی بات پر ڈٹے رہے۔ امام (مفسر) کا رجحان دوسرے قول کی طرف ہے اور یہ قرآن کے جلیل القدر الفاظ کے ظاہر کے زیادہ موافق ہے۔[1]

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: بارہ منافقین نے نفاق پر مبنی ایک خفیہ معاہدہ کیا۔ جبریل علیہ السلام نے

(1) تفسیر روح المعانی

رسول اللہ ﷺ کو ان کے ناموں سمیت اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کچھ لوگ فلاں فلاں کام پر جمع ہوئے ہیں۔ بہتر ہے کہ اٹھیں، اقرار کریں اور اپنے رب سے استغفار کریں تا کہ میں ان کے لیے شفاعت کروں۔“

مگر وہ خاموش رہے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ایک کے نام لے کر پکارا۔ تب انہوں نے کہا: ”ہم اقرار کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اب؟ حالانکہ ابتدا میں میرا دل تمہاری شفاعت کے لیے زیادہ نرم تھا اور اللہ بھی جلدی قبول فرمانے والا تھا۔ اب مجھ سے نکل جاؤ، مجھ سے نکل جاؤ۔“ اور آپ ﷺ بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ وہ سب باہر نکال دیے گئے۔

حضرت اصم کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آ رہے تھے، تو بارہ منافقین نے اندھیری رات میں عقبہ کے مقام پر نقاب اوڑھ کر آپ ﷺ پر حملہ کرنے کی سازش کی۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے جانوروں کو ماریں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا اور ان کے جانور بھاگ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ وہی لوگ ہیں، اور جبریل علیہ السلام نے مجھے ان کے نام بتائے ہیں۔“

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”کیا میں انہیں قتل نہ کر دوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے یہ گوارا نہیں کہ عرب یہ کہیں کہ محمد اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔ اللہ ہمیں ان کے شر سے کافی ہے۔“[1]

يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ (٦٤) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ (٦٥) لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ

منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو انہیں اُن باتوں سے باخبر کر دے جو ان کے دلوں میں چھپی ہیں۔ آپ فرما دیجئے: تم مذاق اُڑاؤ، بے شک اللہ ان باتوں کو ظاہر کرنے والا ہے جن سے تم ڈرتے ہو۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں، تو وہ ضرور کہیں گے: ہم تو صرف گپ شپ کر رہے تھے اور دل لگی۔ آپ فرما دیں: کیا اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ تم مذاق کرتے ہو؟! عذر مت تراشو، تم

(1) تفسیر رازی

ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ سے درگزر بھی کرلیں، تو دوسرے گروہ کو ضرور عذاب دیں گے، اس سبب سے کہ وہ مجرم تھے۔[1]

لغوی توضیح:

''الخوض'' کا اصل مطلب ہے کسی سیال چیز جیسے پانی یا کیچڑ میں داخل ہونا، پھر اس کا استعمال ہر اس بات کے لیے ہونے لگا جس میں لت پت ہونا اور گندگی ملنا پایا جائے۔ منافقین کا مطلب یہ تھا کہ:

إنما نلعب ونتلهى لتقصر مسافة السفر

ہم تو محض وقت گزارنے اور سفر کو مختصر محسوس کرنے کے لیے یہ باتیں کر رہے تھے۔

جیسے مسافر راستے میں دل لگی کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ دین اور اہلِ دین کے بارے میں استہزا اور طعن کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی ﷺ ان سے کہہ دیں کہ ان کے عذر پر توجہ نہ دیں، بلکہ ان پر یہ اعلان کریں کہ انہوں نے وہ جسارت کی ہے جس کا استہزا کسی طور جائز نہیں۔ انہوں نے اس ہستی اور اس دین کا مذاق اڑایا ہے جس کا استہزا گناہِ عظیم ہے، اور یہی ان کا سب سے بڑا جرم ہے۔[2]

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے باطن کو بے نقاب کیا ہے۔ وہ اس اندیشے میں رہتے تھے کہ قرآن کی کوئی سورت نازل ہو جائے جو ان کی خفیہ سازشوں اور دلوں کی حقیقتوں کو ظاہر کر دے۔ اسی وجہ سے سورۃ براءۃ کو وہ ''الحافرۃ'' کہا کرتے تھے، کیونکہ اس نے ان کے نفاق کے گڑھے کھود کر رکھ دیے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ حقیقت میں کافر تھے تو انہیں وحی کے نزول سے ڈر کیوں لگتا تھا؟ مفسرین نے اس کے کئی جوابات دیے ہیں:

حضرت ابو مسلم کا قول:

ان کا یہ خوف حقیقت نہیں بلکہ استہزا تھا۔ وہ آپ ﷺ کے ہر معاملے کو وحی سے جوڑنے کو

---

(1) التوبۃ:64-66

(2) روح المعانی

ہنسی کا نشانہ بناتے اور باطن میں اس کا انکار کرتے۔ اللہ نے فرمایا کہ چاہے یہ مذاق اڑائیں، مگر میں ان کے دلوں کے راز کھول دوں گا۔ اگرچہ وہ منکر تھے، لیکن بارہا انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کی خفیہ باتوں کو بھی بتا دیتے ہیں۔ اس تجربے کی وجہ سے ان کے دلوں میں حقیقی خوف بیٹھ گیا تھا۔

حضرت اصم کا قول:

وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، لیکن حسد اور ضد نے انہیں کفر پر جما دیا۔ قاضی نے کہا کہ علم رکھنے والا یوں عناد نہیں کرتا، مگر بعض علماء نے کہا: جب حسد دل میں جڑ پکڑ لے تو انسان واضح حقائق کا بھی انکار کرنے لگتا ہے۔

بعض نے کہا کہ "یحذر" کا مطلب یہ ہے کہ انہیں حکم دیا گیا کہ ڈریں یعنی یہ جملہ بطور امر ہے۔

بعض کے نزدیک وہ نبوت کے بارے میں شکوک میں مبتلا تھے، قطعی منکر نہ تھے۔ اور شک رکھنے والا ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے۔ اس لیے وہ نازل ہونے والی آیات سے ڈرتے تھے۔

خلاصہ

یہ آیت منافقین کی اصل حقیقت کو کھولتی ہے۔ وہ ظاہراً ایمان کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے مگر اندر سے رسوا ہونے کے خوف میں جیتے تھے۔ قرآن نے اعلان کیا کہ ان کی تمام پوشیدہ سازشیں، نفاق اور دلوں کے راز اللہ تعالیٰ کے حکم سے ظاہر ہو کر رہیں گے۔ ان کا استہزا، ان کا انکار اور ان کے عذر سب لاحاصل ہیں۔[1]

حکم

دینِ اسلام، شعائرِ اللہ اور مقامِ رسالت ﷺ کے استہزاء کی شرعی حیثیت

ان آیتوں سے یہ واضح ہوا کہ دین کی کسی بات کے ساتھ دل لگی اور مذاق کرنا کفر ہے، چاہے مذاق میں جو کہا ہے اس کو سچ نہ بھی سمجھتا ہو۔

1. مقامِ رسالت ﷺ اور صاحبِ شریعت کی توہین

اس کلام کی سب سے بنیادی کڑی رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ آپ ﷺ ہی وہ ہستی ہیں

(1) تفسیر رازی

جن کے ذریعے ہمیں دین، قرآن اور احکام ملے۔ لہٰذا:

- آپ ﷺ کی کسی بھی صفت، قول، فعل یا سنت کا مذاق اڑانا کفر کی بدترین قسم ہے۔
- قرآن نے واضح کر دیا کہ اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ کا مذاق اڑانے والے کا کوئی عذر قبول نہیں، وہ ایمان کے بعد کافر ہو چکے۔
- صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا مذاق: چونکہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے رسول اللہ ﷺ سے دین سیکھا اور ہم تک پہنچایا، اس لیے ان کا تمسخر اڑانا درحقیقت رسول اللہ ﷺ اور خود دینِ اسلام کی جڑوں پر وار کرنا ہے۔

2. استہزاء کی اقسام

امام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے مذاق اڑانے والوں کو دو درجوں میں تقسیم کیا ہے:

1. واضح استہزاء: جیسے یہ کہنا کہ "یہ قرآن پڑھنے والے جھوٹے، بزدل اور پیٹو ہیں"۔ (یاد رہے کہ انہی لوگوں کے متعلق وہ سخت قرآنی وعید نازل ہوئی تھی)۔
2. غیر واضح استہزاء: اشاروں کنایوں، زبان نکالنے یا حقارت آمیز انداز سے سنتِ رسول ﷺ یا شعائر کا مذاق اڑانا۔ یہ عمل بھی مسلمان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔[1]

3. توہین آمیز مجلسوں میں شرکت کا حکم

قرآنِ مجید نے ایسی محفلوں کے بارے میں سخت تنبیہ فرمائی ہے:

"اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں کتاب میں یہ حکم دے دیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں نہ لگ جائیں۔ ورنہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے۔"[2]

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ یا دین کی توہین پر خاموش رہنا اور اس مجلس کا حصہ بنے رہنا بھی کفر میں شرکت کے مترادف ہے۔

---

(1) حکم المرتد، ص105

(2) النساء:140

4. چٹکلے، تفریح اور ایمانی غیرت

- بعض لوگ محض دوسروں کو ہنسانے کے لیے جنت، جہنم، فرشتوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں چٹکلے سناتے ہیں۔
- دینی حقائق کے جواب میں "دل کے خوش رکھنے کو یہ خیال اچھا ہے" جیسے جملے استعمال کرنا صریح کفر ہے۔
- خلاصہ: دین کے کسی بھی جز کا مذاق اڑانا، خواہ وہ دل لگی کے لیے ہو یا تحقیر کے لیے، انسان کے ایمان کو غارت کر دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی مجلس میں شریک ہو اور ایمانی غیرت کا مظاہرہ نہ کرے، تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو مذاق اڑانے والے کا ہے۔

حاصلِ کلام:

ایمان کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی ہر بات کو برحق ماننے پر ہے۔ جس دل سے تعظیمِ رسول ﷺ اور احترامِ دین نکل جائے، وہاں ایمان باقی نہیں رہتا۔

حکم:

مسلمان کہلانے والے شخص کے لیے حکم:

i. اگر کوئی شخص اسلام کا اقرار کرنے کے بعد جان بوجھ کر اور واضح طور پر رسول اللہ ﷺ، قرآن یا دینِ اسلام کی کسی قطعی مقدس چیز کا استہزا کرے، تو قرآن کی آیت 66 کے مطابق یہ کفر بعد الایمان کے دائرے میں آتا ہے۔

ii. تفسیر ابن کثیر

تفسیر ابن کثیر، سورۃ التوبہ، آیت 65–66

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے تحت غزوۂ تبوک کے واقعے اور منافقین کے اس عذر "إنما كنا نخوض ونلعب" کو ذکر کیا ہے کہ ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔ آیت نے اس عذر کو رد کیا۔

iii. تفسیر روح المعانی

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ، روح المعانی، تفسیر سورۃ التوبہ 65–66

اس میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور رسول ﷺ کے ساتھ استہزا انتہائی سنگین معاملہ ہے، اور محض "ہم مذاق کر رہے تھے" کہنا عذر نہیں بنتا۔

iv. ارتداد کے بارے میں حدیث:

صحیح البخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، حدیث 6922

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ

یعنی: جو شخص اپنا دین بدل دے، اسے قتل کرو۔

کافر کے لیے حکم:

غزوۂ تبوک کے منافقین باطناً کافر تھے، اگرچہ ظاہراً اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا استہزا کیا تو قرآن نے ان کے قول کو محض "مذاق" قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا بلکہ فرمایا:

لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ

"عذر نہ تراشو، تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو"(1)

اس اعتبار سے استہزائے رسول ﷺ ان کے کفر کے اظہار اور اس پر مؤاخذے کا سبب بنا اور نبی کریم ﷺ نے ان منافقین کو قتل نہ کرنے کی جو وجہ بیان فرمائی، وہ یہ تھی:

لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ

"ایسا نہ ہو کہ لوگ یہ باتیں کرنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔"(2)

"ان منافقین کا ظاہراً مسلمان ہونا انہیں استہزائے رسول ﷺ کے شرعی مؤاخذے سے مطلقاً محفوظ نہیں کرتا تھا؛ تاہم نبی کریم ﷺ نے مصلحتِ عامہ کے پیشِ نظر ان کے قتل سے اجتناب فرمایا۔"

یہ تعبیر واقعے سے ثابت دونوں پہلوؤں کو محفوظ رکھتی ہے: استہزا کی سنگینی بھی، اور نبی ﷺ کا قتل سے اجتناب بھی۔

---

(1) التوبہ:66

(2) صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین وأحکامہم

دلیل نمبر 3

معتب بن قشیر

شانِ نزول

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حنین کی لڑائی کے بعد نبی کریم ﷺ نے (غنیمت کی) تقسیم میں بعض لوگوں کو زیادہ دیا۔ جیسے اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیئے، اتنے ہی اونٹ عیینہ بن حصین رضی اللہ عنہ کو دیئے اور کئی عرب کے اشراف لوگوں کو اسی طرح تقسیم میں زیادہ دیا۔ اس پر ایک شخص (معتب بن قشیر منافق) نے کہا، کہ اللہ کی قسم! اس تقسیم میں نہ تو عدل کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور نہ اللہ کی خوشنودی کا خیال ہوا۔ میں نے کہا کہ واللہ! اس کی خبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور دوں گا۔ چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کو اس کی خبر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا "اگر اللہ اور اس کا رسول بھی عدل نہ کرے تو پھر کون عدل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ ان کو لوگوں کے ہاتھوں اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچی لیکن انہوں نے صبر کیا۔ (1)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے اور آپ ﷺ (جنگ حنین کا مال غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے اتنے میں بنی تمیم کا ایک شخص ذوالخویصرہ نامی آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! انصاف سے کام لیجئے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا "افسوس! اگر میں ہی انصاف نہ کروں تو دنیا میں پھر کون انصاف کرے گا۔ اگر میں ظالم ہو جاؤں تب تو میری بھی تباہی اور بربادی ہو جائے۔"

عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے بارے میں مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن مار دوں۔ آپ صلی ﷺ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس کے جوڑ کے کچھ لوگ پیدا ہوں گے کہ تم اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابل ناچیز سمجھو گے۔ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ یہ

(1) صحیح البخاری/کتاب فرض الخمس/حدیث:3150

لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے زور دار تیر جانور سے پار ہوجاتا ہے۔ اس تیر کے پھل کو اگر دیکھا جائے تو اس میں کوئی چیز (خون وغیرہ) نظر نہ آئے گی پھر اس کے پٹھے کو اگر دیکھا جائے تو چھڑ میں اس کے پھل کے داخل ہونے کی جگہ سے اوپر جو لگایا جاتا ہے تو وہاں بھی کچھ نہ ملے گا۔ اس کے نفی (نفی تیر میں لگائی جانے والی لکڑی کو کہتے ہیں) کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کچھ نشان نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر اس کے پر کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں ملے گا۔ حالانکہ گندگی اور خون سے وہ تیر گزرا ہے۔ ان کی علامت ایک کالا شخص ہوگا۔ اس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح (اٹھا ہوا) ہوگا یا گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہوگا اور حرکت کر رہا ہوگا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے بہترین گروہ سے بغاوت کریں گے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی تھی (یعنی خوارج سے) اس وقت میں بھی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ اور انہوں نے اس شخص کو تلاش کرایا (جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ کی علامت کے طور پر بتلایا تھا) آخر وہ لایا گیا۔ میں نے اسے دیکھا تو اس کا پورا حلیہ بالکل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کئے ہوئے اوصاف کے مطابق تھا۔[1]

وَمِنْهُم مَّنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ[2]

اور ان (منافقوں) میں سے کچھ ایسے ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اگر انہیں اس میں سے دیا جائے تو خوش ہوجاتے ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو فوراً ناراض ہوجاتے ہیں۔

تفسیر اور روایات:

زکوۃ، صدقات، اور عشر حاجت مندوں کا حق ہے اور منافقین چونکہ عام طور پر دولت مند تھے اس لئے اُن کو اس میں سے کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ وہ اس سے دلوں میں گھٹتے تھے۔ بعض تو برملا اعتراض اور نکتہ چینی بھی کیا کرتے تھے ابو الجواظ ایک منافق تھا جو لوگوں میں کہتا پھرتا تھا:

أَلَا تَرَوْنَ إِلَى صَاحِبِكُمْ إِنَّمَا يَقْسِمُ صَدَقَاتِكُمْ فِي رُعَاةِ الْغَنَمِ، وَيَزْعَمُ أَنَّهُ

(1) صحیح البخاری/کتاب المناقب/حدیث:3610

(2) التوبۃ:58

يَعْدِلُ !(1)

دیکھو تو سہی تمہارے صاحب کیا کر رہے ہیں! صرف چرواہوں کو تمہاری خیراتیں بانٹ رہے ہیں اور اپنے آپ کو انصاف کرنے والا بھی بتلاتے ہیں؟

ظاہر ہے کہ خیراتوں کے حقدار عموماً چرواہے ہی ہوتے ہیں، دولت مندوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا اور حق حقدار کو پہنچا دینا ہی انصاف ہے پھر یہ تقسیم انصاف کے خلاف کہاں ہوئی ؟! آنحضور ﷺ نے تو صاف اعلان فرمادیا تھا کہ اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نہ تو کسی کو اپنے اختیار سے دیتا ہوں، نہ روکتا ہوں، میں صرف خزانچی ہوں اس لئے اصول وضوابط کا پابند ہوں من مانی نہیں کرسکتا آپ ﷺ کے لئے اور آپ کے اقرباء کے لئے خیرات کے پیسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیتے ہیں۔ پھر ایسی ہستی سے ناانصافی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟ دراصل انھیں شکایت اس لئے تھی کہ اس میں سے ان کو حسب خواہش نہیں دیا جاتا تھا وہ حقیقی شکایت کو چھپا کر الزام یہ رکھتے تھے کہ مال کی تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا جاتا، جانب داری سے کام لیا جاتا ہے!

یہیں سے منافقوں کے اس دعوے کی حقیقت واشگاف ہوجاتی ہے، جس کا تذکرہ پچھلی آیات میں آیا ہے کہ وہ مالی امداد اور راضی خوشی پیش کر رہے ہیں بھلا جن کے دلوں میں ایمان نہ ہو، جنھیں چمڑی سے زیادہ دمڑی پیاری ہو، جو مال کے اس قدر حریص ہوں کہ صدقات وخیرات میں سے بھی بیش از بیش لینے کے خواہش مند رہتے ہوں وہ اللہ کی راہ میں راضی خوشی کیا خرچ کریں گے؟ ارشاد فرماتے ہیں اور منافقین میں سے بعضے صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں آپ ﷺ پر نکتہ چینی کرتے ہیں کہ تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا جاتا، جانب داری برتی جاتی ہے لیکن یہ اعتراضات اس وقت تک ہوتے ہیں جب تک کہ اُن کو اُن کی خواہش کے مطابق صدقات میں سے حصہ نہیں دیا جاتا، اگر انھیں خوب جی بھر کر حسب خواہش دے دیا جائے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں اور کچھ اعتراض باقی نہیں رہتا۔

ارشاد فرماتے ہیں پس اگر اس (خیرات) میں سے انھیں کچھ دے دیا جائے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں اور آپ ﷺ ان کی نگاہوں میں انصاف پسند ہوجاتے ہیں اور اگر اس میں سے انھیں کچھ نہ دیا جائے تو اسی وقت وہ بگڑنے لگتے ہیں اور تقسیم کو غیر منصفانہ بتلانے لگتے ہیں۔ اور (ان کے حق میں کیا ہی اچھا ہوتا) اگر وہ اتنے پر راضی

(1) (روح)

رہتے جو اللہ پاک نے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیا ہے۔[1]

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ کی تفسیر میں فرمایا:

کہ وہ (منافقین) آپ پر تہمت لگاتے ہیں، آپ سے (مال کا) مطالبہ کرتے ہیں اور آپ کی جانچ (آزمائش) کرتے ہیں۔

حضرت ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا کے بارے میں فرمایا:

رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان اللہ کا دیا ہوا مال تقسیم فرماتے، چاہے وہ تھوڑا ہوتا یا زیادہ۔ تو جو سچے مؤمن تھے، وہ اس پر راضی رہتے جو انہیں دیا جاتا اور اس پر اللہ کی حمد (شکر) ادا کرتے۔ لیکن جو منافق تھے، انہیں جب زیادہ دیا جاتا تو وہ خوش ہو جاتے، وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ اور اگر انہیں اس میں سے (کچھ) نہ دیا جاتا تو وہ (تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے) فوراً ناراض ہونے لگتے۔

عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم ابن وہب کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یہ (اعتراض کرنے والے) منافقین تھے، جنہوں نے بطورِ طعنہ کہا تھا: 'اللہ کی قسم! محمد ﷺ صدقات صرف انہی کو دیتے ہیں جنہیں وہ پسند کرتے ہیں، اور وہ اس تقسیم میں اپنی خواہش اور مرضی ہی کو ترجیح دیتے ہیں'۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کے اس باطنی خیال سے باخبر فرمایا اور ان منافقین کو بھی جتلا دیا کہ یہ تقسیم دراصل اللہ کی طرف سے آئی ہے اور یہ اللہ کا حکم ہے، محمد ﷺ کا اپنا ذاتی معاملہ نہیں ہے؛ اور اس ضابطے کی وضاحت میں یہ آیت نازل فرمائی: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ (یعنی صدقات تو صرف فقراء کے لیے ہیں..."

حضرت مقاتل بن سلیمان (اس آیت کی تفسیر میں) کہتے ہیں:

---

(1) تفسیر ہدایت القرآن

"﴿وَمِنْهُمْ﴾ سے مراد منافقین ہیں جو مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ یعنی صدقات کے معاملے میں آپ پر عیب لگاتے (طعنہ زنی کرتے) ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ نبی ﷺ نے صدقات تقسیم فرمائے، تو بعض منافقین کو حصہ دیا اور بعض کو (حقدار نہ ہونے کی بنا پر) نہ دیا۔ اس موقع پر ابو الخواص (نامی منافق) آپ ﷺ کے سامنے آیا، آپ ﷺ نے اسے کچھ نہ دیا۔ تو اس نے (لوگوں سے) کہا: 'کیا تم اپنے ان صاحب (ﷺ) کو نہیں دیکھتے؟ یہ تمہارے صدقات محض چرواہوں میں بانٹ رہے ہیں اور (ساتھ ہی) یہ گمان (دعویٰ) کرتے ہیں کہ وہ انصاف کر رہے ہیں!'۔ نبی ﷺ نے (اس کے اعتراض کے جواب میں) ارشاد فرمایا: 'تیرا بھلا ہو! (تم چرواہوں کی تضحیک کرتے ہو) کیا موسیٰ (علیہ السلام) چرواہے نہ تھے؟ کیا داؤد (علیہ السلام) چرواہے نہ تھے؟'۔ پھر جب ابو الخواص وہاں سے چلا گیا تو نبی ﷺ نے (صحابہ سے) فرمایا: 'اس شخص اور اس کے ساتھیوں سے ہوشیار رہو، کیونکہ یہ منافق ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (ان کے اس طرزِ عمل پر) یہ آیت نازل فرمائی: وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ" [1]

خلاصہ

یہ آیت منافقین کے اس رویے کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ دین کو ذاتی مفادات کے ترازو میں تولتے تھے۔ جب انہیں حصہ ملتا تو خوش ہو جاتے، اور جب محروم رہتے تو رسول اللہ ﷺ پر طعنہ زنی کرتے۔ اس آیت میں ان کے نفاق اور دنیا پرستی کو بے نقاب کر کے بتایا گیا کہ صدقات اللہ کے حکم سے تقسیم ہوتے ہیں، نہ کہ نبی ﷺ کی ذاتی خواہش سے۔ لہٰذا آپ ﷺ پر اعتراض دراصل اللہ کے فیصلے پر اعتراض ہے۔

خود کو مسلمان کہنے والے کے لیے حکم:

رسول اللہ ﷺ کے عدل، فیصلے اور تقسیم پر دانستہ طور پر ظلم، ناانصافی یا جانبداری کا الزام لگانا آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں صریح تنقیص اور توہینِ رسالت ہے؛ کیونکہ یہ محض کسی انتظامی فیصلے سے اختلاف نہیں بلکہ منصبِ رسالت پر طعن اور آپ ﷺ کی عدالت و امانت کو مجروح کرنا ہے۔

قرآنِ کریم نے ایسے طعن کو مذمت کے ساتھ بیان کیا اور واضح فرمایا کہ مومن کے لیے رسول اللہ ﷺ

(1) موسوعۃ التفسیر المأثور ــ معہد الشاطبی 10/457

کے فیصلے کے مقابلے میں دل کی تنگی اور عدمِ تسلیم بھی ایمان کے منافی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾[1]

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے عدل و فیصلے کو عمداً ناقص، ظالمانہ یا جانب دار قرار دینا شانِ رسالت میں تنقیص ہے، اور مسلمان کے لیے ایسا اعتقاد ایمان کے بنیادی تقاضائے تسلیم و رضا کے منافی ہے اور ایسا کرنے والا مسلمان نہیں رہ سکتا۔

کافر کے لیے حکم:

اصولی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی شخص کا کافر ہونا اسے رسول اللہ ﷺ کی تنقیص اور اہانت کا حق نہیں دیتا۔

سورۂ توبہ 58 میں منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی تقسیم صدقات پر طعن کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرزِ عمل کو مذمت کے ساتھ ذکر اور رد فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں طعن اپنی جگہ قابلِ مذمت جرم ہے، خواہ طعن کرنے والا ایمان کا دعوے دار منافق ہو۔

اسی طرح قرآن فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾[2]

یعنی رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے والوں کے لیے سخت وعید ہے۔

1. اصولی بات: کافر ہونا کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ کی تنقیص، توہین یا اہانت کا شرعی جواز نہیں دیتا۔ بلکہ قرآن کا اسلوب یہ بتاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں طعن اپنی ذات میں مذموم ہے۔

اصولی استدلال کے اعتبار سے اہم ہے۔ قرآن نے منافقین کو باطنی طور پر کافر قرار دیتے ہوئے بھی ان کے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض اور طعن کو نہایت سخت انداز میں رد کیا۔

---

(1) النساء

(2) [الأحزاب:57]

دلیل نمبر 4:

انصاری صحابی

شان نزول:

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری صحابی سے مقام حرہ کی ایک نالی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا (کہ اس سے کون اپنے باغ کو پہلے سینچنے کا حق رکھتا ہے) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

زبیر! پہلے تم اپنے باغ سینچ لو پھر اپنے پڑوسی کو جلد پانی دے دینا۔ اس پر اس انصاری صحابی نے کہا: یا رسول اللہ! اس لیے کہ یہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں؟ یہ سن کر نبی کریم ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: زبیر! اپنے باغ کو سینچو اور پانی اس وقت تک روکے رکھو کہ منڈیر تک بھر جائے، پھر اپنے پڑوسی کے لیے اسے چھوڑو۔ (پہلے نبی کریم ﷺ نے انصاری کے ساتھ اپنے فیصلے میں رعایت رکھی تھی) لیکن اس مرتبہ آپ ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو صاف طور پر ان کا پورا حق دے دیا کیونکہ انصاری نے ایسی بات کہی تھی جس سے آپ کا غصہ ہونا قدرتی تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے پہلے فیصلہ میں دونوں کے لیے رعایت رکھی تھی۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے، یہ آیات اسی سلسلے میں نازل ہوئی تھیں

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم

تیرے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہوں آپ کو حکم نہ بنالیں اور آپ کے فیصلے کو کھلے دل کے ساتھ برضا و رغبت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔"[1]

(1) صحیح البخاری/کتاب تفسیر القرآن/حدیث:4585

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کر دیں۔[1]

یہ آیت کریمہ کا احتمالی شان نزول ہے حضرت زبیر فرماتے ہیں: بخدا! میرا خیال ہے کہ یہ آیت اسی معاملہ میں نازل ہوئی؛ مگر حکم عام ہے: شریعت کے حکم کو دل سے قبول کرنا ضروری ہے۔ آدمی سچا مسلمان اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک شریعت کے فیصلوں کے سامنے سر نہ جھکا دے۔ اور نبی ﷺ کے فیصلوں کو جی جان سے قبول نہ کرلے کامل ایمان نصیب نہیں ہوسکتا۔

حقیقتِ ایمان کی تین بنیادی شرائط:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ" (سو آپ کے رب کی قسم، یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے) اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک ایسی قسم ہے جس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک صفتِ ایمان سے متصف نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں درج ذیل تین شرائط پوری نہ ہوجائیں:

1. پہلی شرط: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ" (یہاں تک کہ وہ اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو منصف تسلیم کرلیں)۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہو، وہ مومن نہیں۔
2. دوسری شرط: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ" (پھر جو فیصلہ آپ کر دیں، اس کے متعلق وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں)۔ واضح رہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو ظاہری طور پر تو مان لیا جاتا ہے مگر دل اسے قبول نہیں کر رہا ہوتا؛ چنانچہ اس آیت میں یہ واضح کر دیا گیا کہ فیصلے پر قلبی رضا کا ہونا بھی لازم ہے۔

ایک اہم نکتہ: یہ بھی یاد رہے کہ دل کا کسی طرف مائل ہونا یا اس سے بیزار ہونا انسانی اختیار سے باہر کی چیز

(1) النساء:65 (آسان ترجمہ)

ہے، لہٰذا آیت کی مراد یہ طبعی میلان نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ دل میں یہ پختہ یقین اور کامل جزم پیدا ہوجائے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فیصلہ فرمایا ہے، وہی سراسر حق اور سچائی ہے۔

3. تیسری شرط: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا" (اور وہ اسے مکمل طور پر تسلیم کرلیں)۔ یہ اس لیے کہ کبھی انسان دل سے تو جان لیتا ہے کہ فیصلہ حق ہے، مگر عناد اور سرکشی کی وجہ سے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے یا ہچکچاہٹ دکھاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ ایمان کے لیے جہاں دل کا یقین ضروری ہے، وہیں ظاہری طور پر سر تسلیم خم کرنا بھی ناگزیر ہے۔ چنانچہ "لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا" سے مراد باطنی اطاعت ہے، جبکہ "وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا" سے مراد ظاہری فرمانبرداری ہے۔ واللہ اعلم۔[1]

حکم:

رسول اللہ ﷺ کو نزاعات میں حَکَم تسلیم کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔

حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

آپ ﷺ کے فیصلے کو دل سے قبول کرنا ضروری ہے۔

ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ

آپ ﷺ کے فیصلے کے سامنے مکمل تسلیم و فرمانبرداری لازم ہے۔

وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

آیت کا اسلوب نہایت شدید ہے: لَا يُؤْمِنُونَ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ایمان کی نفی فرمارہے ہیں جو ان شرائط کو پورا نہیں کرتے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ ایمان نہیں رکھتے جب تک رسول اللہ ﷺ کو اپنے اختلافات میں حَکَم نہ بنائیں، آپ ﷺ کے فیصلے پر دل میں تنگی محسوس نہ کریں اور اسے مکمل طور پر تسلیم نہ کریں۔

لہٰذا آیت سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ثابت شدہ فیصلے کو حق ماننے سے انکار اور اسے رد کرنا ایمان کے منافی ہے، اور اصولی طور پر کفر کے حکم سے متعلق ہے۔

---

(1) تفسیر رازی

دلیل نمبر 5:

عبداللہ بن ابی

شان نزول

اس آیت کے شان نزول کے متعلق متعدد روایات ہیں، بعض میں ہے کہ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے کے متعلق نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جس زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا گیا تو عبداللہ بن ابی منافق کے گھر میں کچھ لوگ جمع ہوئے اور اس بہتان کو پھیلانے چلتا کرنے کی باتیں کرتے تھے۔ اس وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کرام سے اس کی شکایت فرمائی کہ یہ شخص مجھے ایذاء پہنچاتا ہے۔[1]

بعض روایات میں ہے کہ حضرت صفیہ سے نکاح کے وقت کچھ منافقین نے طعن کیا اس کے متعلق نازل ہوئی۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت ہر ایسے معاملہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جس سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیت پہنچے۔ اس میں صدیقہ عائشہ پر بہتان بھی داخل ہے اور حضرت صفیہ اور زینب کے نکاحوں پر طعن و تشنیع بھی شامل ہے دوسرے صحابہ کرام کو برا کہنا اور ان پر تبرا کرنا بھی داخل ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُہۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۸﴾

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (قصداً) ایذاء دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے، اور (اسی طرح) جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بدون اس کے

(1) (مظہری)

کہ انہوں نے کچھ (ایسا کام) کیا ہو (جس سے وہ مستحق سزا ہو جاویں) ایذاء پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا (اپنے اوپر) بار لیتے ہیں (یعنی اگر وہ ایذاء قولی ہے تو بہتان ہے اور اگر فعلی ہے تو مطلق گناہ ہی ہے)۔

اس آیت کے شروع میں جو یہ ارشاد ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچاتے ہیں اس میں ایذاء پہنچانے سے مراد وہ افعال و اقوال ہیں جو عادتاً ایذاء کا سبب بنا کرتے ہیں۔ اگرچہ حق تعالیٰ کی ذات پاک ہر تاثر وانفعال سے بالاتر ہے کسی کی مجال ہی نہیں کہ اس تک کوئی تکلیف پہنچا سکے، لیکن ایسے افعال جن سے عادتاً ایذاء پہنچا کرتی ہے ان کو ایذاء اللہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

اس میں ائمہ تفسیر کا اختلاف ہے کہ یہاں پر اللہ کو ایذاء دینے سے کیا مراد ہے؟ بعض ائمہ تفسیر نے ان افعال واقوال کو اس کا مصداق ٹھہرایا ہے، جن کے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبانی احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایذاء کا سبب ہیں، مثلاً حوادث ومصائب کے وقت زمانہ کو برا کہنا کہ درحقیقت فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہے، یہ لوگ زمانہ کو فاعل سمجھ کر گالیاں دیتے تھے تو درحقیقت وہ فاعل حقیقی تک پہنچتی تھیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جان دار چیزوں کی تصویریں بنانا اللہ تعالیٰ کی ایذاء کا سبب ہے۔ تو آیت میں اللہ کو ایذاء دینے سے مراد یہ اقوال یا افعال ہوئے۔

شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ اس آیت حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ایسی باتوں سے موصوف کرتے ہیں جن سے وہ منزہ اور پاک ہے، جیسے اس کے لیے اولاد یا شریک ثابت کرنا، اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرنا یہ سب اللہ اور رسول ﷺ کو ایذا دینے میں داخل ہے۔ یہ جملہ خبر یہ ہے اور (اِنّ) کے ذریعے مؤکد کیا گیا ہے، اور (اِنّ) کی خبر یہ ہے:

لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

اللہ تعالیٰ کو ایذا کس طرح دی جاتی ہے؟ اللہ کو ایذا اس طرح دی جاتی ہے کہ اسے ایسے عیوب سے موصوف کیا جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں، مثلاً بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ اللہ فقیر ہے، یا زمانے کو برا کہنا جیسا کہ

حدیث میں آیا ہے: "ابنِ آدم مجھے ایذا دیتا ہے، وہ زمانے کو گالی دیتا ہے"[1] حالانکہ زمانہ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ اللہ نے بیوی یا بیٹا بنالیا، یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے بعد تھکن محسوس کی اور ہفتے کے دن آرام کیا، یہ سب اللہ کو ایذا دینے کی صورتیں ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کو ایذا دینے کا مفہوم یہی ہے کہ اسے ان صفات سے متصف کیا جائے جو اس کے شایانِ شان نہیں مثلاً اللہ کے لیے اولاد تجویز کرنا: جیسا کہ قرآن کہا ہے

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا

اور انھوں نے کہا رحمان نے کوئی اولاد بنا رکھی ہے۔

اسی میں اللہ کے اسماء وصفات کا انکار بھی داخل ہے؛ کیونکہ اسماء وصفاتِ الٰہیہ کا انکار درحقیقت کمال کی نفی ہے، اور کمال کی نفی لازماً نقص کو مستلزم ہوتی ہے، اور یہی ایذا کی ایک صورت ہے۔

رسول ﷺ کو ایذا دینا

نبی کریم ﷺ کو ایذا قول سے بھی ہوتی ہے اور فعل سے بھی۔ قول کے ذریعے ایذا یہ ہے کہ آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) جادوگر، شاعر، کاہن یا مجنون کہا جائے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ یہی الزامات سابقہ تمام انبیاء پر بھی لگائے گئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَذٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ[2]

"ان (نازیبا) اوصاف کا تذکرہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے لیے باعثِ اذیت ہے، اور ہر اس شخص کے لیے بھی (انتہائی) تکلیف دہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھنے والا ہے؛ کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو ان جھوٹے اوصاف کے ساتھ متصف کیا جائے۔

اسی طرح حضرت عبدالرحمن بن مغفل مزنی سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو ان کو میرے بعد

(1) صحیح البخاری/کتاب الأدب/حدیث:6181

(2) الذاریات:52

اپنی اعتراضات وتنقیدات کا نشانہ نہ بناؤ، کیونکہ ان سے جس نے محبت کی، میری محبت کی وجہ سے کی اور جس نے بغض رکھا میرے بغض کی وجہ سے رکھا، اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے گرفت کرے گا۔[1]

اس حدیث سے جیسا یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایذاء سے اللہ تعالیٰ کی ایذاء ہوتی ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے کسی کو ایذا پہنچانا یا ان کی شان میں گستاخی کرنا رسول اللہ ﷺ کی ایذاء ہے۔

فعل کے ذریعے ایذا کی مثال وہ ہے جو قریش نے نبی ﷺ کے ساتھ کی:

جب آپ ﷺ خانۂ کعبہ میں سجدے کی حالت میں تھے تو انہوں نے اونٹنی کی اوجھڑی لا کر آپ ﷺ کی پشت مبارک پر رکھ دی۔ اس سے بڑھ کر اذیت کیا ہوسکتی ہے؟ ایک شخص نہ کسی کو ستا رہا ہے، نہ کسی پر زیادتی کر رہا ہے، بلکہ اللہ کی عبادت میں مشغول ہے، اور وہ بھی روئے زمین کے سب سے مقدس مقام پر، پھر بھی یہ ظالم لوگ اس پر غلاظت ڈال دیتے ہیں یہ ایذا کی انتہا ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی کم سن بیٹی (حضرت فاطمہؓ) آئیں اور وہ گندگی آپ ﷺ سے ہٹائی یہ بھی ایذا کی واضح مثال ہے۔

اسی طرح اذیت رسانی کی ایک صورت وہ بھی ہے جس کا تذکرہ (سیرت نگاروں نے) کیا ہے کہ کفارِ مکہ آپ ﷺ کے گھر کی دہلیز پر گندگی اور غلاظت پھینک دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ باہر تشریف لاتے اور (انہیں مخاطب کر کے) فرماتے: 'یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟ یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟!'[2]

یعنی اگر میں تمہارا صرف ایک پڑوسی ہوتا اور تم میں سے (یعنی تمہارے قبیلے یا برادری سے) نہ بھی ہوتا، تب بھی تم میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتے۔

لعنت اور عذابِ مہین

ایسے لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا:

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں اپنی رحمت سے دور کر دیا

---

(1) سنن ترمذی/ کتاب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ حدیث: 3862

(2) (۱) الطبقات (۱/ ۲۱۰).

اور لعنت کا یہی معنی ہے: رحمت سے دوری۔

اور یہاں ﴿يُؤْذُونَ﴾ (مضارع) کا صیغہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مسلسل ایذا دیتے رہتے ہیں، اسی لیے ان پر لعنت بھی جاری رہتی ہے۔

پھر فرمایا:

وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا

یعنی اللہ نے ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

عذابِ مہین سے مراد ایسا عذاب ہے جس میں جسمانی تکلیف بھی ہے اور نفسی ذلت بھی۔ جیسا کہ جہنمیوں کے بارے میں فرمایا گیا:

خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ

یعنی اسے پکڑو اور گھسیٹتے ہوئے جہنم کے بیچوں بیچ لے جاؤ۔

پھر فرمایا:

ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ

اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔ وہی سر جو نہ اللہ کے سامنے جھکتا تھا نہ کسی کے سامنے۔ پھر کہا جائے گا:

ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ [1]

یہ طنز ہے — یعنی تو خود کو دنیا میں بڑا معزز سمجھتا تھا، اب اپنی ذلت کا مزہ چکھ۔

یوں اللہ اور رسول ﷺ کو ایذا دینے والوں کی سزا دو بڑے عذاب ہیں:

1. لعنت: یعنی رحمتِ الٰہی سے محرومی
2. عذابِ مہین: جس میں ذلت اور رسوائی شامل ہے

---

(1) سورۃ الدخان (آیت 49)

حکم:

مسئلہ: رسول اللہ کی شخصیت 'دین 'نسب یا حضور (ﷺ) کی کسی صفت پر طعن کرنا اور صراحتہً یا کنایتہً یا اشارتہً یا بطور تعریض آپ پر نکتہ چینی کرنا اور عیب نکالنا کفر ہے۔ ایسے شخص پر دونوں جہان کی لعنت 'دنیوی سزا سے اس کو توبہ بھی نہیں بچا سکتی۔ ابن ہمام نے لکھا ہے: جو شخص رسول اللہ سے دل میں نفرت کرے 'وہ مرتد ہو جائے گا۔ برا کہنا تو بدرجۂ اولیٰ مرتد بنا دیتا ہے 'اگر اس بعد توبہ بھی کر لے تو قت کی سزا ساقط نہیں ہو سکتی۔ اہل فقہ نے لکھا ہے کہ یہ قول علماء کوفہ (امام ابوحنیفہ 'صاحبین وغیرہم) اور امام مالک کا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فتویٰ منقول ہے۔

الف) نسبِ مبارک پر طعن

رسول اللہ (ﷺ) کا نسب تمام انسانوں میں سب سے اعلیٰ اور پاکیزہ ہے۔ آپ (ﷺ) نے خود فرمایا: "میں اللہ کے نزدیک تمام اولادِ آدم میں سب سے زیادہ معزز ہوں"۔ آپ کے نسب پر نکتہ چینی کرنا دراصل اللہ کے اس انتخاب پر اعتراض کرنا ہے، اسی لیے یہ کفر ہے۔

ب) صفات اور سیرت پر نکتہ چینی

اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کے اخلاق کی گواہی خود دی: "وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ" (اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں)۔ جب اللہ کسی صفت کو "عظیم" کہہ دے، تو اس میں عیب نکالنا اللہ کی تکذیب (جھٹلانا) ہے، اور اللہ کو جھٹلانا صریح کفر ہے۔

ج) کنایہ اور اشارہ (Indirect Criticism)

کچھ لوگ براہِ راست گالی نہیں دیتے بلکہ فلسفیانہ انداز میں یا تاریخی بحثوں کے نام پر آپ (ﷺ) کے فیصلوں یا طرزِ زندگی پر "نکتہ چینی" کرتے ہیں۔ فقہِ اسلامی کا قاعدہ ہے کہ "العبرۃ للمقاصد والمعانی" (اعتبار مقصد اور معنی کا ہوتا ہے)۔ اگر نیت میں تحقیر شامل ہے، تو چاہے لفظ کتنے ہی گھما پھرا کر کہے جائیں، وہ گستاخی ہی شمار ہو گی۔

عیب نکالنا کفر کیوں ہے؟

دینِ اسلام کی پوری عمارت "صدقِ رسول" (رسول کی سچائی) پر قائم ہے۔ اگر (نعوذ باللہ) رسول کی ذات، نسب یا صفات میں کوئی عیب مان لیا جائے، تو:

i. ان کی لائی ہوئی وحی مشکوک ہو جائے گی۔

ii. ان کی اطاعت کا وجوب ختم ہوجائے گا (کیونکہ عیب دار کی پیروی لازم نہیں ہوتی)۔

iii. اللہ کا انہیں "اسوہ حسنہ" (بہترین نمونہ) قرار دینا غلط ثابت ہوگا (معاذ اللہ)۔

نتیجہ: اسی لیے فقہائے کرام (جیسے امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ 'الشفاء' میں لکھتے ہیں) کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو شخص حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف کسی ایسی چیز کی نسبت کرے جو آپ کے منصب کے خلاف ہو یا جس سے آپ کی کسرِ شان ہوتی ہو، وہ مرتد اور کافر ہے۔

آپ کی ذکر کردہ عبارت اسی اسلامی اصول کی عکاسی کرتی ہے کہ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔ اگر ادب نہیں، تو ایمان کی حقیقت ہی باقی نہیں رہتی۔[1]

اصولی مفہوم کے اعتبار سے آیت میں يُؤْذُونَ رَسُولَ اللّٰهِ کا ارتکاب کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے والا ہے، اور اگر یہ ایذا توہین، تنقیص، استہزاء یا اہانت کی صورت میں ہو تو اسے گستاخیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان میں شامل کیا جائے گا۔ ہر وہ قول یا فعل جو شرعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین، تنقیص یا اہانت کے درجے میں ہو، وہ آیتِ کریمہ کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے میں داخل ہے۔

(1) (کذا قال القاضی ثناء اللہ فی التفسیر المظہری)

دلیل نمبر 6

ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ

شانِ نزول

حضرت ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ بنو تمیم کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے، یہ بات زیرِ غور تھی کہ اس قبیلہ پر کسی کو امیر مقرر کیا جائے؟

آپ ﷺ کے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس پر قعقاع بن معبد کو امیر بنا دیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گذارش کی کہ ان کی بجائے اقرع بن حابس کو امیر بنانا بہتر ہو گا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس بات پر ناراضگی ظاہر کی اور فرمایا: تمہارا مقصد میری رائے کی مخالفت کرنا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا مقصود آپ کی مخالفت کرنا نہیں ہے؛ چنانچہ بات تیز ہو گئی اور دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں، اسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی،[1]

حضرت ثابت ابن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کی آواز بھی قدرتی طور پر بلند تھی۔ جب بھی بات کرتے اونچی آواز میں کرتے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی، تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اپنی آواز کی بلندی کے ڈر سے گھر میں بیٹھ گئے۔ کہنے لگے کہ اگر حضور ﷺ کی مجلس میں میری آواز بلند ہو گئی تو مجھے ڈر ہے کہ میرے اعمال ہی ضائع نہ ہو جائیں۔ حضور ﷺ والسلام نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ثابت رضی اللہ عنہ نظر نہیں آ رہا ہے، کیا وہ بیمار ہو گیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا، حضور ﷺ! وہ تو میرا پڑوسی ہے مگر مجھے اس کی بیماری کی کوئی خبر نہیں۔ پھر جب گھر جا کر آپ کا پتہ کیا تو انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ میری آواز قدرتی طور پر بلند ہے اور مجھے اپنے منافق ہونے کا خطرہ ہے، لہٰذا میں اعمال کے ضیاع کے ڈر سے گھر میں بیٹھ گیا ہوں۔ آپ ﷺ کو اس بات کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ اس نے آیت کا مطلب ٹھیک سے نہیں سمجھا، اس کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے اور وہ تو جنتی ہے۔ پھر جب حضرت

(1) (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الحجرات، حدیث نمبر: ۴۵۶۶)

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا قیس (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے! کیا تمہیں یہ چیز پسند نہیں کہ تمہاری زندگی پسندیدہ گزرے اور تم شہادت کی موت پاؤ؟ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے، چناچہ پھر ایسا ہی ہوا۔ آپ کی زندگی تو پسندیدہ ہی تھی کیونکہ آپ کا رجوع ہمیشہ نیکی کی طرف رہتا تھا۔ پھر آپ کی شہادت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔

مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سپہ سالار تھے اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور حضرت سالم رضی اللہ عنہ اس فوج میں شامل تھے۔ اس لڑائی میں بارہ سو صحابہ اور ستر حفاظ قرآن اور قاری شہید ہوئے اور ہلاک شدگان کی کل تعداد ستائیس ہزار تک پہنچی ہے۔ یہ بہت بڑا فتنہ تھا جس کو اللہ نے فرو کیا۔

اس جنگ میں بعض مواقع ایسے بھی آئے کہ مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اس موقع پر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی مجاہد سالم رضی اللہ عنہ کے درمیان اس معاملہ میں گفتگو ہوئی تو حضرت سالم رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ حضور ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں تو مسلمان کبھی پسپا نہیں ہوئے۔ اس پر دونوں حضرات نے کہا کہ ہم دشمن کا مقابلہ اس طریقے سے کریں گے کہ بھاگنے کی کوئی ضروت باقی نہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے میدان جنگ میں گڑھا کھودا اور پھر اس میں پاؤں ٹکا کر دشمن کا مقابلہ کیا حتیٰ کہ دونوں حضرات نے جام شہادت نوش فرمایا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو انہوں نے عمدہ قسم کی زرہ پہن رکھی تھی۔ شہادت کے بعد یہ زرہ کسی دوسرے مسلمان نے اتار کر اپنے پاس رکھ لی۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ کسی مسلمان کو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ خواب میں ملے اور اس سے کہا کہ فلاں آدمی نے میری زرہ اتار لی ہے اور اسے فلاں مقام پر رکھا ہوا ہے۔ آپ نے یہاں تک نشاندہی کی کہ یہ زرہ ایک ہانڈی کے نیچے ہے اور اس کے اوپر فلاں فلاں سامان پڑا ہے اور زرہ اتارنے والا شخص شہر کے فلاں حصے میں رہتا ہے۔

پھر آپ نے خواب دیکھنے والے شخص کو یہ وصیت بھی کی کہ مدینہ جا کر خلیفہ وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ میں نے فلاں آدمی کا اتنا قرض دینا ہے اس کو نظر انداز کریں۔ جب وہ آدمی مدینہ واپس آیا تو اس نے خواب کا سارا واقعہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو بتا دیا، چناچہ ان کی نشاندہی کے مطابق وہ زرہ بھی برآمد ہو گئی، اور خلیفہ وقت نے اس صحابی رسول کی وصیت کو بھی پورا کیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو اللہ نے یہ شرف بخشا کہ آپ کی خواب والی وصیت کو نافذ کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس قسم کا کوئی واقعہ تاریخ میں نہیں ملتا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آیات مذکورہ نازل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر

ہوتے تو اتنا آہستہ بولتے تھے کہ پوچھنا پڑتا تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آیت بالا نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ اختیار کرلیا تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح پست آواز سے بات کرتے تھے کہ جیسے کوئی شخص رازداری کی باتیں کر رہا ہو، اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب یہ آیت نازل ہوگئی تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) اتنی آہستہ بات کرتے تھے کہ صرف رسول اللہ ﷺ ان کی بات سن سکیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ آپ سوال فرماتے تھے کہ کیا کہا؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی نازل فرمائی۔

بے شک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آواز کو پست کرتے ہیں ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ نبی سے اس طرح اونچی آواز سے بات کرو جیسے تم بعض بعض سے اونچی آواز سے بات کرتے ہو، ایسا نہ کہ تمہارے اعمال حبط ہوجائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو،

پہلی آیت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کسی بھی قول، فعل یا معاملے میں آگے بڑھنے سے روکا گیا تھا۔ جبکہ یہ دوسری آیت آواز بلند کرنے کے متعلق ہے، خواہ اس کا تعلق حلال و حرام یا احکامات سے نہ بھی ہو۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

"اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو"۔

یعنی جب نبی ﷺ تم سے مخاطب ہوں تو اپنی آواز کو ان کی آواز سے پست رکھو۔ اگر آپ ﷺ بلند

(1) (صحیح بخاری ص ۷۱۸)

آواز میں بات کریں تب بھی تمہاری آواز ان کی آواز سے نیچی ہونی چاہیے۔

نبی کریم ﷺ سے خطاب کا طریقہ:

وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

اور ان سے اس طرح زور سے بات نہ کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔

یعنی آپ ﷺ کو اس طرح اونچی آواز میں نہ پکارو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو، بلکہ آپ ﷺ سے بات کرتے ہوئے وہ ادب، تکریم اور تعظیم ملحوظ ہونی چاہیے جو آپ ﷺ کے شایانِ شان ہے۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا اللہ نے دوسری جگہ فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾[1]

تم رسول کے بلانے کو ایسا (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو"۔

یعنی اگر آپ ﷺ تمہیں کسی کام کے لیے پکاریں تو یہ تمہاری مرضی پر نہیں کہ چاہو تو جواب دو اور چاہو تو نہ دو، بلکہ تم پر جواب دینا واجب ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کو ان ناموں سے نہ پکارو جن سے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو، مثلاً یہ نہ کہو: "اے محمد!" بلکہ یوں کہو: "اے اللہ کے رسول! اے اللہ کے نبی!"۔

اعمال کے ضائع ہونے کا خطرہ: آیت کا اگلا حصہ ہے:

أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ

کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

یعنی تمہیں آواز بلند کرنے سے اس لیے روکا گیا ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بے ادبی کے نتیجے میں تمہاری زندگی بھر کی نیکیاں برباد ہو جائیں اور تمہیں اس کا احساس تک نہ ہو۔ غرض یہ کہ اے لوگو، جو ایمان لائے ہو" کے محبت آمیز انداز گفتگو کے ساتھ جن مومنین کو براہ راست مخاطب کیا گیا ہے: اس سے وہ کانپ اٹھے اور آئندہ کے لئے جناب رسالت میں نہایت خاموشی سے سہم کر بیٹھتے کہ کہیں ان کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ اور ان کو اس کا

(1) النور ۶۳

شعور ہی نہ ہو کیونکہ شعوری طور پر تو وہ بہت محتاط تھے لیکن ان کو زیادہ ڈر اس بات کا تھا کہ غیر شعوری حالت میں ان کا نقصان نہ ہو جائے اس لیے وہ بہت ڈر گئے تھے یہاں اللہ تعالی نے ان کی خدا خوفی اور رسول اللہ ﷺ کے ہاں ان کے ان آداب کا اظہار نہایت ہی عجیب پیرائے میں کیا ہے

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنا یا عام لوگوں کی طرح آپ ﷺ سے کلام کرنا "حبوطِ اعمال" (نیکیوں کی بربادی) کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ طرزِ عمل انسان کے دل میں رسول ﷺ کی ناقدری اور استہانت (ہلکا جاننا) پیدا کر سکتا ہے، اور رسول ﷺ کی ادنی سی توہین بھی "ارتداد" ہے جو تمام اعمال کو غارت کر دیتی ہے۔

آیت کریمہ میں اگرچہ نبی کریم ﷺ کی مجلس کا ادب سکھایا گیا ہے لیکن مقصود اس سے آنحضرت ﷺ کے مقام و مرتبہ کا تحفظ ہے اور آپ کا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے بعد آپ کو مطاع مطلق بنایا، آپ کی اطاعت کو فرض ٹھہرایا، آپ کے معمولاتِ زندگی کو اسوہ حسنہ قرار دیا گیا۔ آپ کی اداؤں تک کی نقل دین ٹھہرائی گئی ہے۔ اور یہ بات جس طرح آنحضرت ﷺ کے ہم عصر لوگوں کے لیے تھی آج بھی بالکل ویسے ہی ہے۔

اور آج اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی حدیث پڑھ کر سنائی جائے تو سننے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ اسے سنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اور جو شخص ایسا نہیں کرتا تو اس کا اس کے سوا کوئی مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ اس کا تعلق نہایت کمزور ہے۔

رسول ﷺ کی گستاخی اور اس کا شرعی حکم: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں ادنی سی غفلت یا استہزاء بھی ارتداد ہے۔ منافقین جب آپ ﷺ اور صحابہ کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ "ہم نے ان قراء (صحابہ) جیسا بڑے پیٹ والا، بزدل اور جھوٹا نہیں دیکھا"، تو اللہ نے ان کے بارے میں واضح فرما دیا:

لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ

بہانے نہ بناؤ، تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔

سبِّ رسول (گالی دینا) کا حکم: صحیح قول یہی ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو سب و شتم کرے (گالی

دے)، وہ کافر اور مرتد ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو (اللہ کے ہاں) اس کی توبہ قبول ہو گی، لیکن دنیا میں اسے قتل کی سزا دی جائے گی تا کہ رسول اللہ ﷺ کے حق کا بدلہ لیا جا سکے۔ قتل کے بعد ہم اس پر جنازہ پڑھیں گے کیونکہ وہ توبہ کر چکا تھا، مگر قانونِ دنیا کے تحت سزا معاف نہیں ہو گی۔[1]

(1) (تفسیر ابن عثیمین، سورہ الحجرات صفحہ 16)

دلیل نمبر 7

آدبِ رسول ﷺ

شان نزول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ (ابتدا میں) آپ ﷺ کو "اے محمد!" یا "اے ابو القاسم!" کہہ کر پکارتے تھے۔ اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کی عظمت و توقیر کی خاطر انہیں اس سے منع فرما دیا، چنانچہ اس کے بعد لوگ "یارسول اللہ" اور "یا نبی اللہ" کہہ کر پکارنے لگے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالی نے حکم دیا کہ آپ ﷺ کی ہیبت دلوں میں رکھی جائے، آپ ﷺ کی توقیر، تعظیم اور سیادت (سرداری) کا اعتراف کیا جائے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ کو پکارتے وقت نام نہ لو اور نہ "اے ابنِ عبد اللہ" کہو، بلکہ شرف و عزت کے ساتھ "یا نبی اللہ" اور "یارسول اللہ" کہو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اس سے مراد آپ ﷺ کی تکریم و تشریف کا حکم ہے۔

یہی معنی سیاقِ کلام سے زیادہ ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا: رَاعِنَا نہ کھو بلکہ انْظُرْنَا کہو اور فرمایا: "اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو"۔ یہ تمام آیات نبی ﷺ سے بات کرنے، آپ ﷺ کو مخاطب کرنے اور آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے کے آداب سکھاتی ہیں۔

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی (بد) دعا کو دوسروں کی دعا کی طرح نہ سمجھو، کیونکہ آپ ﷺ کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ پس ڈرو کہ کہیں آپ ﷺ تمہارے حق میں بد دعا نہ کر دیں اور تم ہلاک ہو جاؤ۔

مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

جمعہ کے دن خطبے میں بیٹھا رہنا منافقوں پر بہت بھاری پڑتا تھا جب کسی کو کوئی ایسی ضرورت ہوتی تو اشارے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہتا اور آپ ﷺ اجازت دے دیتے اس لیے کہ خطبے کی حالت میں بولنے سے جمعہ باطل ہو جاتا ہے تو یہ منافق آڑ ہی آڑ میں نظریں بچا کر سرک جاتے تھے۔[1]

بیہقی اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ

اس وقت رسول کریم ﷺ بذات خود اور تمام صحابہ خندق کھودنے میں مصروف کار تھے مگر منافقین اول تو آنے میں سستی کرتے اور پھر آ کر بھی معمولی سا کام دکھانے کو کر لیتے اور پھر چپکے سے غائب ہو جاتے تھے اس کے خلاف مومنین سب کے سب محنت کے ساتھ لگے رہتے اور کوئی مجبوری اور ضرورت پیش آتی تو آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر جاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی[2]

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾[3]

(اے مسلمانو!) تم رسول کو اپنے درمیان اس طریقہ پر نہ بلایا کرو جیسے ایک دوسرے کو بلایا کرتے ہو، اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں، جو آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں؛ لہٰذا جو لوگ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان کو اس بات سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی آفت آ پڑے یا ان پر دردناک عذاب آ جائے۔

بارگاہِ رسالت ﷺ کی عظمت اور گستاخی کا سدِباب

جب اس سورت نے مجموعی طور پر، اور ان آیات نے خصوصی طور پر، رسول اللہ ﷺ کے شرف و بزرگی کے وہ پہلو ظاہر کر دیے جنہوں نے عقلوں کو دنگ کر دیا اور یہ سب اس لیے بیان ہوا کہ منافقین نے اس بلند ترین مقام اور منصبِ کامل (منصبِ رسالت) کی شان میں گستاخی کی جرات کی تھی اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ کو اپنے ہر معاملے اور ہر حال میں ایک ایسی خصوصیت و انفرادیت حاصل ہے جو کسی دوسرے کو میسر

(1) تفسیر ابن کثیر (ج6 ص90)

(2) (مظہری)

(3) سورۃ النور آیت نمبر 63

نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام کی عظمت اور منصب کی توقیر کو مزید واضح فرمانے کے لیے صراحت فرمائی، تاکہ وہ لوگ ادب سیکھیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو کھل کر بیان فرمادیا تاکہ آپ ﷺ کی شان کو دوبالا اور مقام کی عظمت کو واضح کیا جاسکے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ ادب سیکھیں جو (ناسمجھی میں) منافقین کی حمایت کرتے ہیں، یا جو آپ ﷺ کے معاملے میں سستی دکھاتے ہیں اور یوں سابقون الاولون (مرتبہ پانے والے صحابہ) کی منزل سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ وہ اس بات کو سمجھ لیں کہ مصیبتیں اور آزمائشیں انسانوں میں یا تو اچھائیوں کو نمایاں کرتی ہیں یا برائیوں کو بے نقاب کر دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَا تَجْعَلُوا یعنی اے ایمان والو! ہرگز نہ سمجھو دُعَاءَ الرَّسُولِ رسول کا تمہیں پکارنا "بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان" خواہ وہ پکار عمومی ہی کیوں نہ ہو، اس کی تعمیل کے وجوب کے معاملے میں كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ویسا ہی جیسا تمہارا ایک دوسرے کو پکارنا ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا حکم نہایت عظیم ہے، اور اسے حلال سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت کرنا صریح "کفر" ہے۔

آیت میں لفظ "دُعَاءَ" پکارنے یا ندا دینے کے معنی میں ہے۔ یہاں مفسرین کے دو اقوال ہیں:

1. پہلا قول (آپ ﷺ کو پکارنے کا ادب): مؤلف اور بعض مفسرین کے نزدیک یہاں "دعاء" کا مصدر اپنے مفعول (جسے پکارا جارہا ہے) کی طرف مضاف ہے۔ یعنی: "تمہارا رسول ﷺ کو پکارنا" ویسا نہیں ہونا چاہیے جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ ہم جب ایک دوسرے کو بلاتے ہیں تو نام لے کر پکارتے ہیں (مثلاً: اے فلاں!)، لیکن نبی ﷺ کا حق اور مقام اتنا بلند ہے کہ انہیں نام لے کر پکارنا، مناسب نہیں، بلکہ "یارسول اللہ" کہنا چاہیے۔ صحابہ کرامؓ نے اسی ادب کو اپنایا۔ جہاں کہیں صحابہ کے کلام میں اس کے خلاف ملتا ہے، وہ یا تو اس ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے یا پھر کسی ناواقف دیہاتی (اعرابی) کا فعل ہے۔

2. دوسرا قول (آپ ﷺ کی پکار پر لبیک کہنے کا حکم): دوسرے مفسرین کے نزدیک یہاں "دعاء" کا مصدر اپنے فاعل (پکارنے والے) کی طرف مضاف ہے۔ یعنی: "رسول ﷺ کا تمہیں پکارنا" ویسا نہیں ہے جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ جب عام لوگ ایک دوسرے کو پکارتے ہیں تو جواب دینا یا نہ دینا مرضی پر ہوتا ہے، لیکن نبی ﷺ کی پکار پر لبیک کہنا فرض ہے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ ہمیں کسی کام کا حکم دیں یا بلائیں، تو اطاعت واجب ہے، وہاں "مرضی" نہیں چلتی۔ اس قول کی تائید اگلی آیت کے سیاق سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ کے

حکم کی مخالفت کرنے والوں کو فتنے اور عذابِ الیم سے ڈرایا گیا ہے۔[1]

منافقین کی چالاکی اور اللہ کا علم: چونکہ کچھ لوگ بظاہر موافقت دکھاتے تھے لیکن باطن میں مخالفت چھپائے ہوئے تھے، اس لیے اللہ نے اپنے علمِ کامل اور قدرتِ تمام سے انہیں ڈراتے ہوئے فرمایا:

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا

یقیناً اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر چپکے سے نکل بھاگتے ہیں۔

اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ تمہارا یہ چھپ چھپا کر نکلنا رسول ﷺ سے تمہارا معاملہ پوشیدہ رکھ لے گا، تو جان لو کہ اللہ (جو تمام صفاتِ مجد کا مالک ہے) ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو "تسلل" کرتے ہیں، یعنی جو بڑی مشقت سے اپنے آپ کو مجمع سے اس طرح کھینچ کر نکالتے ہیں کہ ان کا جانا بالکل خفیہ رہے۔ وہ "لواذ" کرتے ہیں، یعنی ایک دوسرے کے پیچھے چھپ کر یا کسی چیز کی اوٹ لے کر نکلتے ہیں۔ یہاں فعلِ مضارع اور لفظ "قَدْ" کا استعمال یہ بتانے کے لیے ہے کہ اللہ کا علم نہ صرف ماضی کو محیط ہے بلکہ جب بھی کوئی نیا شخص خیانت کرے گا، اللہ کا "علمِ شہودی" اسے فوراً پالے گا۔

مخالفتِ رسول ﷺ پر سخت وعید:

اپنے اسی علمِ محیط کی بنیاد پر اللہ نے فرمایا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ کہیں ان پر کوئی فتنہ نہ آ پڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔

یعنی جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے روگردانی کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کے خلاف چلتے ہیں، وہ ڈر جائیں:

- دنیا میں کسی "فتنے" سے، جو ان کے معاملات کو بگاڑ دے اور ان کی پسندیدہ حالت کو ناپسندیدہ

(1) (تفسیر ابن عثیمین)

صورت میں بدل دے۔

- یا آخرت میں "دردناک عذاب" سے۔

علمی نکتہ: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا "امر" (حکم) وجوب کے لیے ہے (یعنی اسے ماننا فرض ہے) جب تک کہ کوئی دوسری دلیل اسے وجوب سے نہ پھیر دے؛ کیونکہ اللہ نے آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی پر عذاب کی وعید سنائی ہے، اور عذاب کی وعید صرف واجب کو چھوڑنے یا حرام کے ارتکاب پر دی جاتی ہے۔"[1]

حکم :

مخالفتِ امر رسول ﷺ اور بے ادبی رسالت کا حکم

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا[2]

میں رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبے کی تعظیم، آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت اور مخالفتِ امر سے اجتناب کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

بالخصوص فرمایا گیا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

یعنی جو لوگ رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفتِ امر رسول ﷺ نہایت سنگین جرم ہے اور اس کے انجام میں دنیاوی فتنہ اور اخروی عذاب دونوں کا اندیشہ ہے۔ جب مخالفت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے حکم کا استخفاف، تحقیر، استہزاء یا تکذیب شامل ہو جائے تو معاملہ کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

اسی اصول سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی، تنقیص، استہزاء اور تمسخر محض

---

(1) تفسیر نظم الدرر "علامہ بقاعیؒ" ج 13/325

(2) (النور:63)

ایک عام معصیت نہیں، بلکہ مقامِ رسالت کے احترام اور تعظیم کے منافی انتہائی سنگین جرم ہے۔ جتنا فعل رسول اللہ ﷺ کی شان کو حقیر دکھانے، آپ ﷺ کے منصبِ رسالت کا مذاق اڑانے یا آپ ﷺ کی توہین پر مشتمل ہو گا، اتنا ہی اس کا شرعی حکم سنگین ہو گا۔

دلیل نمبر 8

شانِ اَزواجِ رسول ﷺ

شان نزول:

اس آیت میں پردے کا حکم ہے اور شرعی آداب و احکام کا بیان ہے۔ حضرت عمر (رض) کے قول کے مطابق جو آیتیں اتری ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ بخاری مسلم میں آپ سے مروی ہے کہ تین باتیں میں نے کہیں جن کے مطابق ہی رب العالمین کے احکام نازل ہوئے۔ میں نے کہا یارسول اللہ! اگر آپ مقام ابراہیم کو قبلہ بنائیں تو بہتر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم اترا کہ

(وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى [1]

میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ مجھے تو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ گھر میں ہر کوئی یعنی چھوٹا بڑا آجائے آپ اپنی بیویوں کو پردے کا حکم دیں تو اچھا ہو پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے پردے کا حکم نازل ہوا۔ جب حضور ﷺ کی ازواج مطہرات غیرت کی وجہ سے کچھ کہنے سننے لگیں تو میں نے کہا کسی غرور میں نہ رہنا اگر حضور ﷺ تمہیں چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں آپ کو دلوائے گا چنانچہ یہی آیت قرآن میں نازل ہوئی۔ صحیح مسلم میں ایک چوتھی موافقت بھی مذکور ہے وہ بدر کے قیدیوں کا فیصلہ ہے۔

اور روایت میں ہے سنہ 5 ھ ماہ ذی قعدہ میں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا ہے۔ جو نکاح خود اللہ تعالیٰ نے کرایا تھا اسی صبح کو پردے کی آیت نازل ہوئی ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں یہ واقعہ سن تین ہجری کا ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں حضور ﷺ نے جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو لوگوں کی

---

(1) (البقرۃ:125)۔2۔۱۲۵)

دعوت کی وہ کھا پی کر باتوں میں بیٹھے رہے آپ نے اٹھنے کی تیاری بھی کی۔ پھر بھی وہ نہ اٹھے یہ دیکھ کر آپ کھڑے ہو گئے آپ کے ساتھ ہی کچھ لوگ تو اٹھ کر چل دیئے لیکن پھر بھی تین شخص وہیں بیٹھے رہ گئے اور باتیں کرتے رہے۔ حضور ﷺ پلٹ کر آئے تو دیکھا کہ وہ ابھی تک باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ پھر لوٹ گئے۔ جب یہ لوگ چلے گئے تو حضرت انس نے حضور ﷺ کو خبر دی۔ اب آپ آئے گھر میں تشریف لے گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے بھی جانا چاہا تو آپ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ کرلیا اور یہ آیت اتری اور روایت میں ہے کہ حضور نے اس موقعہ پر گوشت روٹی کھلائی تھی اور حضرت انس کو بھیجا تھا کہ لوگوں کو بلالائیں لوگ آتے تھے کھاتے تھے اور واپس جاتے تھے۔ جب ایک بھی ایسا نہ بچا کہ جسے حضرت انس بلاتے تو آپ کو خبر دی آپ نے فرمایا اب دستر خوان بڑھا دو لوگ سب چلے گئے مگر تین شخص باتوں میں لگے رہے۔

حضور ﷺ یہاں سے نکل کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا اسلام علیکم اہل البیست و رحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ انہوں نے جواب دیا وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ فرمایئے حضور ﷺ بیوی صاحبہ سے خوش تو ہیں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تمہیں برکت دے۔ اسی طرح آپ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس گئے اور سب جگہ یہی باتیں ہوئیں۔

اب لوٹ کر جو آئے تو دیکھا کہ وہ تینوں صاحب اب تک گئے نہیں۔ چونکہ آپ میں شرم وحیا لحاظ و مروت بیحد تھا اس لئے آپ کچھ فرما نہ سکے اور پھر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف چلے اب نہ جانے میں نے خبر دی یا آپ کو خود خبردار کر دیا گیا کہ وہ تینوں بھی چلے گئے ہیں تو آپ پھر آئے اور چوکھٹ میں ایک قدم رکھتے ہی آپ نے پردہ ڈال دیا اور پردے کی آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت میں بجائے تین شخصوں کے دو کا ذکر ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ کے کسی نئے نکاح پر حضرت ام سلیم نے مالیدہ بنا کر ایک برتن میں رکھ کر حضرت انس سے کہا اسے اللہ کے رسول ﷺ کو پہنچاؤ اور کہہ دینا کہ یہ تھوڑا سا تحفہ ہماری طرف سے قبول فرمایئے اور میرا اسلام بھی کہہ دینا۔ اس وقت لوگ تھے بھی تنگی میں۔ میں نے جا کر حضور ﷺ کو سلام کیا ام المومنین کا سلام پہنچایا اور پیغام بھی۔ آپ نے اسے دیکھا اور فرمایا اچھا اسے رکھ دو۔ میں نے گھر کے ایک کونے میں رکھ دیا پھر فرمایا جاؤ فلاں اور فلاں کو بلالاؤ بہت سے لوگوں کے نام لئے اور پھر فرمایا ان کے علاوہ جو مسلمان مل جائے میں نے یہی کیا۔ جو ملا اسے حضور ﷺ کے ہاں کھانے کے لئے بھیجتا رہا واپس لوٹا تو دیکھا کہ گھر اور انگنائی اور بیٹھک سب لوگوں سے بھرے ہوئے ہے تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے تھے اب مجھ سے آپ نے فرمایا آؤ وہ پیالہ اٹھالاؤ میں لایا تو

آپ نے اپنا ہاتھ اس پر رکھ کر دعا کی اور جو اللہ نے چاہا۔ آپ نے زبان سے کہا پھر فرمایا چلو دس دس آدمی حلقہ کر کے بیٹھ جاؤ اور ہر ایک بسم اللہ کہہ کر اپنے اپنے آگے سے کھانا شروع کرو۔ اسی طرح کھانا شروع ہوا اور سب کے سب کھا چکے تو آپ نے فرمایا پیالہ اٹھالو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پیالہ اٹھا کر دیکھا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ جس وقت رکھا اس وقت اس میں زیادہ کھانا تھا یا اب؟ چند لوگ آپ کے گھر میں ٹھہر گئے ان میں باتیں ہو رہی تھیں اور ام المومنین رضی اللہ عنہا دیوار کی طرف منہ پھیرے بیٹھی ہوئی تھیں ان کا اتنی دیر تک نہ ہٹنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق گذر رہا تھا لیکن شرم ولحاظ کی وجہ سے کچھ فرماتے نہ تھے اگر انہیں اس بات کا علم ہو جاتا تو وہ نکل جاتے لیکن وہ بے فکری سے بیٹھتے ہی رہے۔ آپ گھر سے نکل کر اور ازواج مطہرات کے حجروں کے پاس چلے گئے پھر واپس آئے تو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب تو یہ بھی سمجھ گئے بڑے نادم ہوئے اور جلدی سے نکل لئے آپ اندر بڑھے اور پردہ لٹکا دیا۔ میں بھی حجرے میں ہی تھا جب یہ آیت اتری اور آپ اس کی تلاوت کرتے ہوئے باہر آئے سب سے پہلے اس آیت کو عورتوں نے سنا اور میں تو سب سے اول ان کا سننے والا ہوں۔

ابن جریر میں ہے کہ رات کے وقت ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لئے جنگل کو جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ پسند نہ تھا آپ فرمایا کرتے تھے کہ انہیں اس طرح نہ جانے دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر توجہ نہیں فرماتے تھے ایک مرتبہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نکلیں تو چونکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی منشا یہ تھی کہ کسی طرح ازواج مطہرات کا یہ نکلنا بند ہو اس لئے انہیں ان کے قد و قامت کی وجہ سے پہچان کر با آواز بلند کہا کہ ہم نے تمہیں اے سودہ پہچان لیا۔ اس کے بعد پردے کی آیتیں اتریں۔

اس روایت میں یونہی ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حجاب کے حکم کے بعد حضرت سودہ نکلیں اس میں یہ بھی ہے کہ یہ اسی وقت واپس آگئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ ایک ہڈی ہاتھ میں تھی آکر واقعہ بیان کیا اسی وقت وحی نازل ہوئی جب ختم ہوئی اس وقت بھی ہڈی ہاتھ میں ہی تھی اسے چھوڑی ہی نہ تھی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری ضرورتوں کی بناء پر باہر نکلنے کی اجازت دیتا ہے۔

آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس عادت سے روکتا ہے جو جاہلیت میں اور ابتداء اسلام میں ان میں تھی کہ بغیر اجازت دوسرے کے گھر میں چلے جانا۔ پس اللہ تعالیٰ اس امت کا اکرام کرتے ہوئے اسے یہ ادب سکھاتا

ہے۔ چناچہ ایک حدیث میں بھی یہ مضمون ہے کہ خبردار عورتوں کے پاس نہ جاؤ۔ پھر اللہ نے انہیں مستثنیٰ کرلیا جنہیں اجازت دے دی جائے۔ تو فرمایا مگر یہ کہ تمہیں اجازت دیجائے۔ کھانے کے لئے ایسے وقت پر نہ جاؤ کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کھانے کے پکنے اور اس کے تیار ہونے کے وقت ہی نہ پہنچو۔ جب سمجھا کہ کھانا تیار ہوگا۔ جاگھسے یہ خصلت اللہ کو پسند نہیں۔ یہ دلیل ہے طفیلی بننے کی حرمت پر۔

امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مذمت میں پوری ایک کتاب لکھی ہے۔ پھر فرمایا جب بلائے جاؤ تم پھر جاؤ اور جب کھا چکو تو نکل جاؤ۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ تم میں سے کسی کو جب اس کا بھائی بلائے تو اسے دعوت قبول کرنی چاہیے خواہ نکاح کی ہو یا کوئی اور اور حدیث میں ہے اگر مجھے فقط ایک کھر کی دعوت دی جائے تو بھی میں اسے قبول کروں گا۔ دستور دعوت بھی بیان فرمایا کہ جب کھا چکو تو اب میز بان کے ہاں چوکڑی مار کر نہ بیٹھ جاؤ۔ بلکہ وہاں سے چلے جاؤ۔ باتوں میں مشغول نہ ہوجایا کرو۔ جیسے ان تین شخصوں نے کیا تھا۔ جس سے حضور ﷺ کو تکلیف ہوئی لیکن شرمندگی اور لحاظ سے آپ کچھ نہ بولے، اسی طرح مطلب یہ بھی ہے کہ تمہارا بے اجازت آنحضرت ﷺ کے گھروں میں چلے جانا آپ پر شاق گذرتا ہے لیکن آپ بوجہ شرم وحیا کے تم سے کہہ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف فرمارہا ہے کہ اب سے ایسا نہ کرنا۔ وہ حق حکم سے حیا نہیں کرتا۔ تمہیں جس طرح بے اجازت آپ کی بیویوں کے پاس جانا منع ہے اسی طرح ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے۔ اگر تمہیں ان سے کوئی ضروری چیز لینی دینی بھی ہو تو پس پردہ لین دین ہو۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ مالیدہ کھا رہے تھے حضرت عمر کو بھی بلالیا آپ بھی کھانے بیٹھ گئے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی سے کھانے میں شریک تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات کے پردے کی تمنا میں تھے کھاتے ہوئے انگلیوں سے انگلیاں لگ گئیں تو بے ساختہ فرمانے لگے کاش کہ میری مان لی جاتی اور پردہ کرایا جاتا تو کسی کی نگاہ بھی نہ پڑتی اس وقت پردے کا حکم اترا۔ پھر پردے کی تعریف فرمارہا ہے کہ مردوں عورتوں کے دلوں کی پاکیزگی کا یہ ذریعہ ہے۔ کسی شخص نے آپ کی کسی بیوی سے آپ کے بعد نکاح کرنے کا ارادہ کیا ہوگا اس آیت میں یہ حرام قرار دیا گیا۔ چونکہ حضور ﷺ کی بیویاں زندگی میں اور جنت میں بھی آپ کی بیویاں ہیں اور جملہ مسلمانوں کی وہ مائیں ہیں اس لئے مسلمانوں پر ان سے نکاح کرنا محض حرام ہے۔ یہ حکم ان بیویوں کے لئے جو

آپ ﷺ کے گھر میں آپ کے انتقال کے وقت تھیں سب کے نزدیک اجماعاً ہے لیکن جس بیوی کو آپ نے اپنی زندگی میں طلاق دے دی اور اس سے میل ہو چکا ہو تو اس سے کوئی اور نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس میں دو مذہب ہیں اور جس سے دخول نہ کیا اور طلاق دے دی ہو اس سے دوسرے لوگ نکاح کر سکتے ہیں۔ قیلہ بنت اشعث بن قیس حضور ﷺ کی ملکیت میں آگئی تھی آپ ﷺ کے انتقال کے بعد اس نے عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر یہ گراں گذرا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ اے خلیفہ رسول یہ حضور ﷺ کی بیوی نہ تھی نہ اسے حضور ﷺ نے اختیار دیا نہ اسے پردہ کا حکم دیا اور اس کی قوم کے ارتداد کے ساتھ ہیں اس کے ارتداد کی وجہ سے اللہ نے اسے حضور ﷺ سے بری کر دیا یہ سن کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا اطمینان ہو گیا۔ پس ان دونوں باتوں کی برائی بیان فرماتا ہے کہ رسول ﷺ کو ایذاء دینا ان کی بیویوں سے ان کے بعد نکاح کر لینا یہ دونوں گناہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں، تمہاری پوشیدگیاں اور علانیہ باتیں سب اللہ پر ظاہر ہیں، اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔ آنکھوں کی خیانت کو، سینے میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے ارادوں کو وہ جانتا ہے۔[1]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔـلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بلا اجازت) داخل نہ ہو، الا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے، وہ بھی اس طرح کہ تم اس کھانے کی تیاری کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو، لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو، اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھو۔ (۴۴) حقیقت یہ ہے کہ اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ تم سے (کہتے ہوئے) شرماتے ہیں، اور اللہ حق بات میں کسی سے نہیں شرماتا اور جب تمہیں

(1) (تفسیر ابن کثیر)

نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ (۴۵) یہ طریقہ تمہارے دلوں کو بھی اور ان کے دلوں کو بھی زیادہ پاکیزہ رکھنے کا ذریعہ ہوگا۔ اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔

ادبِ رسول ﷺ اور حرمتِ ازواجِ مطہرات

اہلِ کفر اور منافقین کی مکّاریوں اور یاوہ گوئیوں کو ایک طرف رکھیے؛ وہ تو اپنی شقاوتِ قلبی کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ مگر وہ اہلِ ایمان، جن کی آنکھوں نے حق کے نور کا مشاہدہ کیا ہے اور جن کے دلوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی بے مثال راست بازی اور پاکیزگی کی گواہی دی ہے، ان کے شایانِ شان ہرگز یہ نہیں کہ وہ حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں یا آپ ﷺ کے وصال کے بعد کوئی ایسی بات زبان پر لائیں یا کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار کریں جو ادنیٰ درجے میں بھی آپ ﷺ کی دل آزاری کا سبب بن سکے۔

مومنین پر لازم ہے کہ وہ اپنے اس محبوب اور مقدس پیغمبر ﷺ کی عظمت و منزلت کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ غفلت یا لاپروائی میں کوئی ایسی ناگوار حرکت سرزد ہوجائے جو دنیا اور آخرت، دونوں جگہ رسوائی اور خسارے کا باعث بن جائے۔

ازواجِ مطہرات کی عظمت اور نکاحِ ثانی کی ممانعت

ان تکلیف دہ اور نازیبا حرکات میں سب سے سنگین گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص آپ ﷺ کے بعد ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح کا تصور کرے یا آپ ﷺ کی موجودگی میں ایسی جسارت آمیز نیت کا اظہار کرے۔

اس ممانعت کے پیچھے بلند پایہ حکمتیں پوشیدہ ہیں:

- روحانی رشتہ: ازواجِ مطہرات کی عظمت کا مدار رسولِ کائنات ﷺ سے ان کی نسبت ہے۔ اس پاکیزہ تعلق کی بنا پر وہ روحانی طور پر تمام اہلِ ایمان کی محترم مائیں ہیں۔ بھلا ایک امتی کے نکاح میں آنے کے بعد وہ تقدس اور احترام کیسے برقرار رہ سکتا ہے؟
- خدمتِ دین: اللہ تعالیٰ نے ان قدسی صفات خواتین کو نبوی تربیت کے لیے اسی لیے منتخب کیا تھا کہ وہ فراغت اور آزادی کے ساتھ دین کی تعلیم و تلقین کا فریضہ انجام دے سکیں۔ نکاحِ ثانی اور خانگی بکھیڑوں

میں الجھ کر یہ اعلیٰ مقصد مجروح ہوجاتا۔

- قلبی وابستگی: کون سا ایسا بے حس انسان ہوگا جو یہ سوچ سکے کہ وہ ہستیاں جنہوں نے سید البشر اور امام المتقین ﷺ کی رفاقت میں دن گزارے ہوں، وہ کسی دوسرے کے ساتھ رہ کر ایک لمحے کے لیے بھی قلبی سکون یا حقیقی خوشی پاسکیں گی؟

انتخاب اور سیرتِ طیبہ

یہ وہی برگزیدہ خواتین ہیں جنہیں جب دنیا کی آسائشوں اور اللہ و رسول کی خوشنودی میں سے کسی ایک کو چننے کا اختیار دیا گیا، تو انہوں نے دنیا کی ہر رنگینی پر ٹھوکر مار کر اللہ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت کے راستے کو اپنایا۔

تاریخ گواہ ہے کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد ان خواتینِ جنت نے زہد، تقویٰ، صبر اور توکل کی وہ مثالیں قائم کیں جن کی نظیر نہیں ملتی۔ انہوں نے اپنی پوری زندگیاں عبادتِ الٰہی، احکامِ دین کی اشاعت اور اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ ان کے پاکیزہ دلوں میں کبھی دنیا کی لذتوں کا خیال تک نہ آیا، اور آ بھی کیسے سکتا تھا؟ جبکہ خود خالقِ کائنات نے ان کی طہارت اور تزکیہ کی ضمانت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے اہلِ بیت! تم سے ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک کر دے جیسا پاک کرنے کا حق ہے۔

دعا: اللہ تعالیٰ ان تمام ماؤں سے راضی ہو اور ہمیں ان کی ویسی تعظیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو ان کا حق ہے، بلکہ ہماری ان ماؤں سے بھی بڑھ کر جنہوں نے ہمیں جنم دیا ہے۔ آمین۔[1]

خلاصہ و حکم :

رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینا شرعاً ممنوع اور اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے:

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ...إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا

یعنی تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینا جائز نہیں، بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی شخصی تکلیف اور اذیت بھی شریعت میں معتبر ہے۔

---

(1) (تفسیر عثمانی)

آیت میں مہمانوں کا کھانے کے بعد غیر ضروری طور پر بیٹھے رہنا بھی یُؤْذِی النَّبِیَّ قرار دیا گیا، اگرچہ وہ کوئی گستاخانہ کلام نہیں کر رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''ایذا'' کا مفہوم صرف صریح توہین تک محدود نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ادب کا حکم براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

آپ ﷺ کے گھروں میں داخل ہونے، وہاں قیام کرنے اور ازواجِ مطہرات سے گفتگو کے آداب تک قرآن نے مقرر فرمائے۔

ازواجِ مطہرات کی حرمت اور عظمت ثابت ہے۔

آپ ﷺ کے بعد ان سے نکاح کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا گیا اور اسے ﴿عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمًا﴾ فرمایا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے کی حرمت انتہائی مؤکد ہے۔

اس آیت کو سورۃ الأحزاب 57 کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو:

مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللّٰهِ

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

دونوں آیات مل کر رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے کی شدید حرمت اور اس پر سخت وعید کو واضح کرتی ہیں۔

سورۃ الأحزاب کی آیت 53 سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کسی بھی ایسی قولی یا فعلی صورت میں ایذا دینا جسے شریعت ایذا قرار دے، حرام اور اللہ کے نزدیک عظیم جرم ہے۔ اور اگر ایذا کی صورت صریح توہین، تنقیص یا اہانتِ رسالت ہو تو وہ اس عمومی ممانعت سے بڑھ کر مستقل سنگین جرم ہے۔

دلیل نمبر 9

اُنْظُرْنَا

شانِ نزول

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اے ایمان والو! (نبی اکرم ﷺ سے گفتگو کے دوران) 'راعِنا' نہ کہا کرو، بلکہ 'انظرنا' (ہماری طرف توجہ فرمایئے) کہا کرو اور غور سے سنا کرو۔

امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

عرب (اپنی گفتگو میں توجہ و التفات کے لیے) عام طور پر یہ لفظ 'راعِنا' (یعنی ہماری رعایت کیجیے) بولا کرتے تھے۔ جب یہودیوں نے مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں یہ لفظ بولتے سنا، تو انہیں یہ بات بہت پسند آئی؛ کیونکہ یہودیوں کی اپنی زبان (عبرانی) میں 'راعِنا' ایک انتہائی قبیح گالی کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

چنانچہ انہوں نے (آپس میں) کہا: ''ہم پہلے محمد (ﷺ) کو چھپ کر برا بھلا کہتے تھے، اب ہمیں ان کی شان میں کھلم کھلا گستاخی کا موقع مل گیا ہے، کیونکہ یہ لفظ خود ان (مسلمانوں) کے کلام میں بھی موجود ہے۔'' اس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور 'یا محمد! راعِنا' کہہ کر (تمسخر اڑاتے ہوئے) ہنستے تھے۔

انصار میں سے ایک جلیل القدر صحابی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، جو یہودیوں کی زبان سے واقف تھے، وہ ان کی اس بدنیتی کو بھانپ گئے۔ انہوں نے (یہودیوں سے) فرمایا:

"اے اللہ کے دشمنو! تم پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر اب میں نے تم میں سے کسی کی زبان سے یہ لفظ سنا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔"

یہودیوں نے (اعتراضاً) کہا: "کیا تم خود یہ لفظ ان کے لیے استعمال نہیں کرتے؟" اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اے ایمان والو! تم 'راعِنا' نہ کہا کرو۔" (تاکہ دشمنوں کو بدزبانی کا کوئی موقع نہ مل سکے)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

ترجمہ: اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سنتے رہو، اور کافروں کو عذاب ہے دردناک۔

تفسیر اسرار التنزیل:

اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ان کے ایمان لانے کی کیا امید یہ ایسے بدباطن ہیں کہ عمداً بارگاہ نبوی میں گستاخی کرتے اور ایسے پوشیدہ طریقے سے کرتے ہیں کہ گستاخی بھی کرلیں اور پکڑے بھی نہ جائیں تو یہ لفظ محاورہ عرب کے لحاظ سے اگرچہ ادب کا تھا کہ ارشاد فرماتے ہوئے اگر کوئی لفظ کسی نے نہ سنا تو عرض کرتا راعنا یعنی ہماری رعایت فرمائیے یا مراد کہ ہم پر شفقت فرمائیے۔ مگر یہود بے بہبود" ع "کی زیر کو کھینچ کر راعی پڑھتے جس سے مراد گڈریا یا چرواہا بنتا ہے تو گویا طنز مقصود ہوتا ہے کہ ہم تو فاضل ہیں اور آپ ﷺ معاذ اللہ محض ایک چرواہے ہیں۔ یہی لفظ مومنین بھی عرض کرتے مگر ان کی مراد ہرگز یہ نہ ہوتی، وہ تو محاورتاً کرتے تھے مگر چونکہ یہود نے یہ لفظ توہین کے لئے چن لیا تھا تو اللہ کریم نے اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لغت سے ہی خارج فرمادیا کہ کبھی راعنا مت کہو۔

غالباً اسی وجہ سے سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کفار المحدثین میں لکھا ہے کہ کوئی جملہ شان رسالت میں ایسا کہنا جس سے مراد توہین نہ ہو مگر سننے والا سمجھے کہ اس نے توہین کی ہے تو قائل کافر ہوجائے گا۔ سو اس سے صحابہ کرام (رض) کو اللہ نے بچالیا اور فرمایا کہ یہ لفظ ہی چھوڑ دو اور انظرنا کہا کرو جو عرفاً اس کے ہم معنی ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ اس کی بھی نوبت کیوں آئے واسمعوا غور سے سنا کرو کہ معجزات نبوی ﷺ میں یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ کی آواز جہاں تک مجمع ہوتا برابر پہنچتی بغیر اس کے حضور اکرم ﷺ کوئی کوشش فرماتے یا زیادہ اونچا بولتے

بلکہ آپ ﷺ کی معتدل اور طبعی آواز جیسے پہلی صف والا آدمی سنتا ایسے ہی دور بیٹھنے والے تک پہنچتی تھی اگر بات رہ جاتی تو نقص سننے والے کی طرف سے ہوتا سو یہ ہو ہی کیوں، پوری توجہ سے سنو۔ رہے کفار، جو ایسی خباثتیں کرتے ہیں ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے جو آخرت کا تو ہے ہی یقینی، مگر دنیا میں بھی یہود کی حالت بہت بری ہوئی، جس کا مشاہدہ چشم عالم نے کیا۔

حکم:

اس آیات سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

1. جس لفظ کے استعمال سے فاسد معنی کا ایہام ہوتا ہو اس کا استعمال نہ کرنا چاہیے اگرچہ متکلم کی نیت صحیح ہو۔
2. نبی کی اشارۃً اور کنایۃً تحقیر بھی کفر ہے اس لیے کہ یہود صراحۃً آپ کی تحقیر نہیں کرتے تھے۔ راعنا کہہ کر اشارۃً اور کنایۃً آپ کی تحقیر کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو کافر فرمایا۔

دلیل نمبر 10

جُلاس بن سوید بن صامت و وَدِیعَة بن ثابت

شانِ نزول

اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا

(وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا)۔

مروی ہے کہ یہ آیت جُلاس بن سوید بن صامت اور ودیعہ بن ثابت کے بارے میں نازل ہوئی، یہ دونوں نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کر بیٹھے اور انہوں نے کہا:

"اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) ہمارے ان بھائیوں کے بارے میں سچے ہیں جو ہمارے سردار اور ہم میں بہترین ہیں، تو ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے ہیں۔"

اس پر عامر بن قیس نے اس سے کہا:

"ہاں! اللہ کی قسم محمد ﷺ سچے اور سچائی کی تصدیق کیے ہوئے ہیں، اور تم یقیناً ایک گدھے سے بھی بدتر ہو۔"

عامر نے نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع دے دی۔ جُلاس آیا اور اس نے نبی ﷺ کے منبر کے پاس اللہ کی قسم کھائی کہ عامر جھوٹ بول رہا ہے۔ اور عامر نے قسم کھائی کہ اس نے (جُلاس نے) یہ بات کہی ہے، اور عامر نے دعا کی: "اے اللہ! اپنے سچے نبی پر کوئی ایسی چیز نازل فرما (جو حقیقت واضح کرے)"، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک قول یہ ہے کہ جس نے یہ بات سنی تھی وہ عاصم بن عدی تھے۔ ایک قول میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بات جُلاس کی بیوی کے بیٹے نے سنی تھی جس کا نام عمیر بن سعد تھا، جیسا کہ ابن اسحاق نے کہا۔ دوسروں نے کہا کہ اس کا نام مصعب تھا۔ تب جُلاس نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تا کہ وہ اس کی خبر نہ دے سکے، اسی بارے میں نازل ہوا: "اور انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جسے وہ پا نہ سکے"۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب جُلاس کے ساتھی نے اس سے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو تمہاری بات کی خبر دوں گا، تو جُلاس نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا، پھر وہ ایسا نہ کر سکا اور اس سے عاجز رہا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کے اس قول "اور انہوں نے ارادہ کیا جس کو پا نہ سکے" میں اسی طرف اشارہ ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی، اس نے غفار قبیلے کے ایک آدمی کو جہینہ قبیلے کے آدمی سے لڑتے ہوئے دیکھا، اور جہینہ انصار کے حلیف تھے۔ ابن ابی نے کہا: "اے اوس اور خزرج کے بیٹو! اپنے بھائی کی مدد کرو! اللہ کی قسم ہماری اور محمد (ﷺ) کی مثال تو وہی ہے جو کہنے والے نے کہی: 'اپنے کتے کو موٹا کرو وہ تمہیں کھا جائے گا'۔ اور اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والا وہاں سے ذلیل کو نکال دے گا۔" نبی ﷺ کو اس کی خبر دی گئی، تو عبد اللہ بن ابی آپ کے پاس آیا اور قسم کھائی کہ اس نے یہ نہیں کہا، یہ قتادہؓ کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ تمام منافقین کا قول ہے، یہ حسن بصریؒ نے کہا۔

ابن العربیؒ کہتے ہیں:

اور یہی صحیح ہے، کیونکہ یہ قول عام ہے اور اس کا معنی اس شخص (ابن ابی) اور تمام منافقین میں پایا جاتا ہے، اور ان سب کا مجموعی عقیدہ یہی تھا کہ وہ (نبی ﷺ) نبی نہیں ہیں۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۚ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے نہیں کہی ہے؛ حالاں کہ انھوں نے کفر کی بات کہی ہے اور (بہ ظاہر) مسلمان ہوجانے کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے، نیز انھوں نے اس کام کی بھی سازش کی، جسے وہ نہیں کر پائے، اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انھیں جو خوش حالی عطا کی، یہ اسی کا بدلہ دے رہے ہیں؟؟ تو اگر وہ توبہ کرلیں تو یہ ان ہی کے حق میں بہتر

ہو گا اور اگر وہ منہ پھیر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دیں گے، اور زمین میں کوئی ان کا یار و مددگار نہیں ہو گا۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا (وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا)۔ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ (اور انہوں نے یقیناً کفر کا کلمہ کہا)۔

نقاش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اس سے مراد ان کا اس فتح کی تکذیب کرنا ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ "کلمہ کفر" جُلاس کا یہ قول ہے: "اگر محمد جو لائے ہیں وہ حق ہے تو ہم گدھوں سے برے ہیں"۔ اور عبد اللہ بن ابی کا یہ قول: "اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والا ذلیل کو نکال دے گا"۔

قشیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

کلمہ کفر سے مراد نبی ﷺ کو برا بھلا کہنا اور اسلام میں طعن کرنا ہے۔ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ (اور انہوں نے اپنے اسلام کے بعد کفر کیا) یعنی ان کے اسلام کا حکم لگائے جانے کے بعد۔

یہ اس بات پر دلیل ہے کہ منافقین کافر ہیں، اور اللہ کا یہ ارشاد: "یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے" ایک قطعی دلیل ہے۔ یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کفر ہر اس چیز سے ہو جاتا ہے جو (دل کی) تصدیق اور معرفت کے منافی ہو، اگرچہ ایمان "لا الہ الا اللہ" کے علاوہ کسی قول یا فعل سے ثابت نہیں ہوتا سوائے نماز کے۔

اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

علماء نے نماز کے بارے میں ایک ایسی چیز پر اتفاق کیا ہے جس پر دیگر شرائع میں نہیں کیا، وہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ: جو شخص کفر کے ساتھ معروف ہو، پھر اسے لوگ وقت پر نماز پڑھتے دیکھیں یہاں تک کہ وہ کئی نمازیں پڑھ لے، اور انہیں اس کی زبان سے (ایمان کا) اقرار معلوم نہ ہو، تب بھی اس کے مؤمن ہونے کا حکم لگایا جائے گا، جبکہ روزہ اور زکوۃ میں انہوں نے ایسا حکم نہیں لگایا۔

تیسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا﴾ (اور انہوں نے اس کا ارادہ کیا جسے وہ پا نہ سکے)۔ اس سے مراد منافقین کا وہ ارادہ ہے جو انہوں نے غزوہ تبوک میں 'لیلۃ العقبہ' (گھاٹی والی رات) کو نبی ﷺ

کو قتل کرنے کے لیے کیا تھا، اور وہ بارہ آدمی تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ان کے نام لیے یہاں تک کہ ان سب کو گن لیا۔ میں نے عرض کیا: "آپ کسی کو بھیج کر انہیں قتل کیوں نہیں کروا دیتے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے یہ برا لگتا ہے کہ عرب کہیں گے کہ جب محمد اپنے ساتھیوں پر غالب آ گیا تو اب انہیں قتل کرنے لگا، بلکہ اللہ ان کے لیے 'دبیلہ' کے ذریعے کافی ہو گا۔" پوچھا گیا: یا رسول اللہ دبیلہ کیا ہے؟ فرمایا: "آگ کا ایک شعلہ جو ان میں سے کسی کے دل کی رگ پر رکھا جائے گا یہاں تک کہ اس کی جان نکل جائے گی۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ امام مسلم نے اسے ہم معنی الفاظ میں روایت کیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے ابن ابی کے سر پر تاج باندھنے (اسے بادشاہ بنانے) کا ارادہ کیا تھا تاکہ وہ اس پر اکٹھے ہو جائیں۔ اس بارے میں مجاہدؒ کا قول پیچھے گزر چکا ہے۔

چوتھا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ (اور انہیں کسی بات کا غصہ نہ تھا سوائے اس کے کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا)۔

یعنی وہ کسی چیز کا بدلہ نہیں لے رہے تھے (ان کی دشمنی بلا جواز تھی)، جیسا کہ نابغہ نے کہا: "ان میں کوئی عیب نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواروں میں لشکروں سے ٹکرانے کی وجہ سے دندانے پڑ گئے ہیں (یعنی وہ بہت بہادر ہیں)"۔ لفظ 'نقم' (برے معنوں میں بدلہ لینا) کے مختلف تلفظات ہیں۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

یہ لوگ دیت (خون بہا) کا مطالبہ کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں اس کا فیصلہ فرما دیا تو وہ غنی ہو گئے۔ عکرمہؒ نے ذکر کیا ہے کہ وہ بارہ ہزار تھے، اور کہا جاتا ہے کہ مقتول جُلاس کا آزاد کردہ غلام تھا۔ کلبیؒ کہتے ہیں: نبی ﷺ کی آمد سے پہلے وہ تنگدستی کی زندگی گزار رہے تھے، نہ گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے اور نہ غنیمت پاتے تھے، جب نبی ﷺ تشریف لائے تو وہ مالِ غنیمت کے ذریعے غنی ہو گئے۔ اور یہ ایک مشہور ضرب المثل ہے: "اتق شر من احسنت الیہ" (جس پر احسان کرو اس کے شر سے بچو)۔ ابو نصر قشیری کہتے ہیں: بجلیؒ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اللہ کی کتاب میں یہ بات پاتے ہیں کہ "جس پر احسان کرو اس کے شر سے بچو"؟ انہوں نے کہا: ہاں، یہ آیت: "وما نقموا الا ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ"۔

پانچواں مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ (پس اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے لیے بہتر ہے)۔

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جُلاس کھڑا ہوا، استغفار کیا اور توبہ کی۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اس کافر کی توبہ قبول ہے جو کفر چھپاتا اور ایمان ظاہر کرتا ہے، جیسے فقہاء "زندیق" کے بارے میں کہتے ہیں۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے،

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

زندیق کی توبہ کا (سچ) معلوم نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ پہلے بھی ایمان ظاہر کرتا تھا اور کفر چھپاتا تھا، اور اس کا ایمان صرف اس کے قول سے جانا جاتا ہے۔ وہ اب بھی ہر وقت یہی کرسکتا ہے کہ کہے "میں مؤمن ہوں" اور دل میں اس کے خلاف چھپائے۔ لہٰذا جب اسے پکڑ لیا جائے اور وہ کہے "میں نے توبہ کی" تو اس کا حال اس سے نہیں بدلے گا جس پر وہ پہلے تھا۔ ہاں، اگر وہ پکڑے جانے سے پہلے خود توبہ کر کے ہمارے پاس آئے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، اور آیت سے یہی مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

چھٹا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَإِنْ يَتَوَلَّوْا (اور اگر وہ پیٹھ پھیر لیں)

یعنی ایمان اور توبہ سے اعراض کریں، يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا (تو اللہ انہیں دردناک عذاب دے گا) دنیا میں قتل کے ذریعے اور آخرت میں آگ کے ذریعے۔ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِن وَلِيٍّ اور زمین میں ان کا کوئی سرپرست نہ ہوگا جو انہیں بچا سکے، وَلَا نَصِيرٍ اور نہ کوئی مددگار۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔[1]

حکم :

1. جو شخص نبی کریم ﷺ کی شان میں ایسا نازیبا، اہانت آمیز یا تنقیص پر مبنی کلام کرے جو شرعاً توہینِ رسالت کے درجے میں ہو، وہ اصولاً کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ سورۃ التوبہ 74 میں ایسے کلام کو ﴿كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ قرار دیا گیا ہے اور فرمایا: ﴿وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ﴾۔

(1) (تفسیر قرطبی سورہ التوبہ آیت نمبر 74)

2. جو شخص نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دینِ اسلام کی اہانت، تحقیر یا تکذیب کرے، وہ بھی اصولاً کفر کا مرتکب ہوتا ہے؛ کیونکہ رسول ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچائے گئے دین کی دانستہ اہانت، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت کی اہانت وتکذیب کو مستلزم ہے۔ البتہ کسی مخصوص قول پر حکم لگاتے وقت یہ دیکھا جائے گا کہ اس میں واقعی اہانت یا تکذیب کا شرعی مفہوم پایا جاتا ہے یا نہیں۔

3. جو شخص نبی کریم ﷺ کو بحیثیتِ رسول قتل کرنے کی سازش کرے، وہ بھی اصولاً کفر کے دائرے میں داخل ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ محض ایک انسانی جان کے خلاف جرم نہیں بلکہ رسالتِ محمدی ﷺ کے خلاف دشمنی ہے۔ سورۃ التوبہ 74 میں وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا کے تحت مفسرین نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف قتل کی سازش کا ذکر کیا ہے، اور اسی سیاق میں پہلے قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ اور ﴿وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ فرمایا گیا ہے۔

ایک اہم اصولی احتیاط: یہاں "اصولاً کافر" سے مراد فعل یا قول کا شرعی حکم ہے۔

تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کے موضوع پر قرآنِ مجید کی متعلقہ آیاتِ مبارکہ کو اس کتابچے میں جمع کیا گیا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکا، آیات کے شانِ نزول اور ان سے ثابت ہونے والے احکام کو بھی آسان اور مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قاری آیات کو ان کے صحیح پس منظر کے ساتھ سمجھے اور موضوع کی مکمل تصویر اس کے سامنے آ سکے۔

یہ کتابچہ جذبات کے بجائے قرآنِ مجید کی رہنمائی کی روشنی میں اس اہم مسئلے کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے، تاکہ ہر پڑھنے والا خود غور و فکر کر کے درست اور ذمہ دارانہ نتیجے تک پہنچ سکے۔ محبت، ادب اور تعظیمِ رسول ﷺ کے قرآنی اصولوں کو سمجھنے کے لیے یہ ایک مفید اور مختصر رہنما ہے۔

ASSAS INSTITUTE
124- Hameed Nizami Road,
Abid market, Mozang, Lahore
+92 334 93 63 518
www.assasedu.com